رسائل

حبیب الامت

جلد دوم

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجرپور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجرپور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

نام کتاب : رسائل حبیب (جلد دوم)

مصنف : حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صفحات : ۳۲۴

طبع سوم : ۲۰۲۳ء

قیمت : ۳۵۰

ناشر : مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور

پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کے پتے:

۱- مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی

۲- مکتبہ طیبہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملفوظات
حبیب الامت

ملفوظات
حبیب الامت

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
☆	پیش لفظ	۲۹
	احب الکلام فی مسئلة السلام	۳۵
۱	پیش لفظ	۳۷
۲	تعارفی کلمات از حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۳۹
۳	**سلام کے متعلق قرآنی تذکرہ:**	۴۱
۴	آیت نمبر ۱	۴۱
۵	سلام کے آداب	۴۱
۶	لفظ تحیة کی تحقیق	۴۲
۷	سلام محمدی دیگر تمام اقوام کے سلام سے افضل ہے	۴۲
۸	ابن عیینہ کا ارشاد	۴۳
۹	اسلامی تحیہ کی جامعیت	۴۳
۱۰	لفظ سلام اور لمحہ فکریہ	۴۴

۱۱	سلام کا جواب بہتر الفاظ میں دینے کا مطلب	۴۴
۱۲	ایک حدیث سے بہتر جواب کی وضاحت	۴۵
۱۳	خلاصۂ وضاحت	۴۶
۱۴	آیت نمبر (۲)	۴۶
۱۵	ترجمہ مع تشریح	۴۶
۱۶	ایک ادب کا بیان	۴۷
۱۷	اپنے گھر میں جاتے وقت بھی سلام کرنا چاہئے	۴۷
۱۸	ترک سلام کی نحوست	۴۸
۱۹	بات شروع کرنے سے پہلے سلام کا حکم	۴۹
۲۰	لمحۂ فکریہ	۵۰
۲۱	حضرت عبداللہ ابن عمر کا صرف سلام کرنے کے لئے بازار جانا	۵۰
۲۲	صحابیٔ رسول کی سوچ	۵۱
۲۳	خالی مکان میں بھی سلام کر کے جانا چاہئے	۵۱
۲۴	دوسروں کے گھر میں جانے کا نبوی طریقہ	۵۲
۲۵	اجازت نہ ملنے پر واپسی کا حکم	۵۲
۲۶	طلباء کے لئے لمحۂ فکریہ	۵۴
۲۷	اندر آنے کی اجازت لینے والے پہلے سلام کریں	۵۴

۲۸	آیت نمبر (۳)	۵۵
۲۹	اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو سلام کرنا	۵۵
۳۰	یوم لقاء کی وضاحت	۵۵
۳۱	آیت کریمہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے	۵۶
۳۲	سلام کو پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے	۵۷
۳۳	سلام میں ابتداء کرنے والا کبر سے بری ہوتا ہے	۵۸
۳۴	آیت نمبر (۴)	۵۸
۳۵	اللہ پاک کی طرف سے بندوں کو سلام	۵۹
۳۶	حضرت جابر کی روایت سے اس کی تائید	۵۹
۳۷	آیت نمبر (۵)	۶۰
۳۸	فرشتوں کی طرف سے جنتیوں کو سلام	۶۰
۳۹	حدیث قتادہ سے فرشتوں کے سلام کی تائید	۶۱
۴۰	جنتیوں کا دل ایک دوسرے سے صاف ہوگا	۶۲
۴۱	جنتیوں کا دل کس طرح صاف ہوگا	۶۲
۴۲	آیت نمبر (۶)	۶۳
۴۳	فرشتوں کا حضرت ابراہیم کو سلام کرنا	۶۳
۴۴	ملاقات کے وقت سلام کا ثبوت	۶۳

۴۵	سلام کی ابتداء	۶۴
۴۶	حضرت آدم کا فرشتوں کو سلام کرنا	۶۴
۴۷	**سلام اور تاکیدی روایتیں:**	۶۶
۴۸	حدیث نمبر (۱)	۶۶
۴۹	سلام سے محبت پیدا ہوتی ہے	۶۶
۵۰	بگاڑ کی وجہ	۶۶
۵۱	حدیث نمبر (۲)	۶۷
۵۲	ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں	۶۷
۵۳	مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ	۶۸
۵۴	پہلا حق عیادت ہے	۶۹
۵۵	عیادت مریض کی فضیلت	۶۹
۵۶	عیادت کرنے والے کے لئے ستر ہزار فرشتے دعاء مغفرت کرتے ہیں	۷۰
۵۷	میت کے پاس بیٹھنے والوں کی باتوں پر فرشتے آمین کہتے ہیں	۷۱
۵۸	نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا اجر دو قیراط ہے	۷۲
۵۹	احتساب کا مطلب	۷۲
۶۰	جنازہ میں ایک سو کی شرکت باعث مغفرت ہے	۷۳

٦١	چالیس کی شرکت بھی باعث مغفرت ہے	۷۴
٦٢	تین صفوں کا ہونا بھی باعث مغفرت ہے	۷۴
٦٣	نماز جنازہ میں آخری صف میں کھڑا ہونا افضل ہے	۷۵
٦٤	تیسرا حق دعوت قبول کرنا	۷۵
٦٥	چوتھا حق سلام کرنا	۷٦
٦٦	سلام میں بخل کرنے والا بخیل ترین ہے	۷۷
٦٧	سلام میں ابتداء کرنے والا اللہ سے سب سے قریب ہے	۷۸
٦٨	تین چیزیں خالص محبت کی نشانی ہیں	۷۸
٦٩	پانچواں حق چھینک کا جواب دینا	۷۸
۷۰	چھینک اللہ کو پسند ہے جمائی شیطان کو	۷۹
۷۱	چھینک کا جواب دینا واجب ہے	۸۰
۷۲	چھینک سے متعلق چند مسائل	۸۰
۷۳	چھینکنے والے کا جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے	۸۰
۷۴	تین مرتبہ کے بعد جواب دینا ضروری نہیں	۸۱
۷۵	چھینکنے والا اور جواب دینے والا کیا کہے؟	۸۱
۷٦	بوڑھی عورت کی چھینک کا جواب زور سے دیا جا سکتا ہے	۸۱
۷۷	مرد کی چھینک کا جواب بوڑھی عورت زور سے دے سکتی ہے	۸۱

۷۸	جوان عورت کی چھینک کا جواب دینا جائز نہیں	۸۲
۷۹	کافر کی چھینک کا جواب	۸۲
۸۰	چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہنے کا فائدہ	۸۲
۸۱	چھینک کا جواب کب واجب ہے؟	۸۳
۸۲	چھٹا حق ہر حال میں خیر خواہی کرنا	۸۳
۸۳	اللہ کی خیر خواہی کا مطلب	۸۳
۸۴	کتاب اللہ سے خیر خواہی کا مطلب	۸۴
۸۵	رسول کی خیر خواہی کا مطلب	۸۴
۸۶	اسلام کے پیشوا کی خیر خواہی کا مطلب	۸۵
۸۷	عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا مطلب	۸۶
۸۸	الدین النصیحہ اس حدیث پر اسلام کا دارومدار ہے	۸۷
۸۹	ترغیبات سلام	۸۷
۹۰	سب سے اچھی خصلت	۸۷
۹۱	سلام کو پھیلانا دخول جنت کا ذریعہ ہے	۸۸
۹۲	دخول جنت کے اسباب	۸۸
۹۳	سلام نجات کا ذریعہ ہے	۸۹
۹۴	دخول جنت کے ذرائع	۸۹

۹۵	سلام غلبہ کا ذریعہ ہے	۸۹
۹۶	سلام مغفرت کا ذریعہ ہے	۹۰
۹۷	سلام کے الفاظ اور ہر ایک کا ثواب	۹۰
۹۸	سلام کے تین اجزاء	۹۱
۹۹	الفاظ سلام کا منتہیٰ	۹۱
۱۰۰	وبرکاتہ پر اضافہ خلاف سنت ہے	۹۲
۱۰۱	ایک تعارض اور اس کا دفعیہ	۹۳
۱۰۲	حضرت مولانا عاشق الٰہی کا جواب	۹۳
۱۰۳	تعارض کا دوسرا جواب	۹۴
۱۰۴	خلاصۂ کلام	۹۴
۱۰۵	امام محمد کا ارشاد	۹۵
۱۰۶	عالمگیری میں مذکور فتویٰ	۹۵
۱۰۷	سلام سے متعلق چند اہم باتیں	۹۶
۱۰۸	(۱) افضل یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے	۹۶
۱۰۹	سلام میں جمع کی ضمیر استعمال کرے	۹۶
۱۱۰	السلام علیکم کہنا چاہیے	۹۶
۱۱۱	سلام علیکم نہ کہے	۹۷

۱۱۲	السلام علیک کے بجائے علیکم کہے	۹۷
۱۱۳	جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے	۹۷
۱۱۴	علیکم السلام کہنا خلاف اولیٰ ہے	۹۸
۱۱۵	کم از کم وعلیکم السلام کہے	۹۸
۱۱۶	صرف علیکم سے سلام کا جواب نہیں ہوگا	۹۸
۱۱۷	جواب میں صرف وعلیکم نہ کہے	۹۸
۱۱۸	علیک السلام یہ مردوں کا سلام ہے	۹۹
۱۱۹	علامہ شامی کا ارشاد	۱۰۰
۱۲۰	ابتداء بالسلام کی فضیلت	۱۰۰
۱۲۱	اس فضیلت کے مستحق راہ چلنے والے ہیں	۱۰۱
۱۲۲	آنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے	۱۰۱
۱۲۳	سلام میں ابتداء کبر سے براءت کی دلیل ہے	۱۰۱
۱۲۴	سلام نہ کرنے والا سب سے بڑا بخیل ہے	۱۰۲
۱۲۵	تنبیہ	۱۰۳
۱۲۶	حضور کا ارشاد بطور سفارش کے تھا	۱۰۳
۱۲۷	باغ والے کی گفتگو کی توجیہ	۱۰۴
۱۲۸	روایت کا ماحصل	۱۰۴

۱۲۹	سلام نہ کرنے والا بڑا بخیل ہے	۱۰۴
۱۳۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چند نصیحتیں	۱۰۵
۱۳۱	فرشتوں کے پیار کا ذریعہ	۱۰۵
۱۳۲	روزی میں برکت کا ذریعہ	۱۰۶
۱۳۳	شہداء میں شمار ہونے کا ذریعہ	۱۰۶
۱۳۴	نیکیوں کو بڑھانے کا ذریعہ	۱۰۶
۱۳۵	بڑوں کی تعظیم چھوٹوں پر شفقت کرنا	۱۰۶
۱۳۶	افشاء سلام کی جزا شیش محل	۱۰۷
۱۳۷	تحریر میں بھی سلام لکھنا مسنون ہے	۱۰۸
۱۳۸	خط و کتابت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول	۱۰۹
۱۳۹	خط و کتابت کا نبوی طریقہ	۱۱۰
۱۴۰	حضرت شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کا ایک مکتوب	۱۱۱
۱۴۱	سوال	۱۱۱
۱۴۲	جواب	۱۱۲
۱۴۳	تحریری سلام کا جواب بھی واجب ہے	۱۱۳
۱۴۴	علامہ شامی کی صراحت کے مطابق فوراً جواب دینا واجب ہے	۱۱۳
۱۴۵	یہ بھی اختیار ہے زبانی جواب دے یا تحریراً	۱۱۴

۱۴۶	سلام مسنون سے مسنون سلام کی ادائیگی کا حکم	۱۱۵
۱۴۷	غائبانہ سلام	۱۱۶
۱۴۸	قاصد کے ذریعہ بھی سلام پہونچایا جاسکتا ہے	۱۱۷
۱۴۹	قاصد کے ذریعہ پہونچنے والے سلام کا جواب بھی ضروری ہے	۱۱۷
۱۵۰	جواب میں قاصد کو بھی شامل کرے	۱۱۸
۱۵۱	قاصد کو جواب میں مقدم کرے	۱۱۸
۱۵۲	قاصد کے تقدم کی وجہ	۱۱۹
۱۵۳	سلام بھیجنے والے کا نام جواب میں شامل کرے	۱۱۹
۱۵۴	خلاصۂ کلام	۱۲۰
۱۵۵	حضرت سہارنپوری کی رائے	۱۲۰
۱۵۶	علامہ شرنبلالی کی رائے	۱۲۱
۱۵۷	امام نووی کی رائے	۱۲۱
۱۵۸	علامہ شامی وطحطاوی کی رائے	۱۲۱
۱۵۹	حضرت ابن عباس کی رائے	۱۲۲
۱۶۰	خلاصۂ کلام	۱۲۲
۱۶۱	سلام کا پہونچانا واجب ہے	۱۲۲
۱۶۲	خط کے سلام کا حکم	۱۲۳

۱۶۳	روضۂ اقدس پر سلام پہونچانے کا حکم	۱۲۴
۱۶۴	اپنے بڑے کو سلام کا مکلّف بنانا بے ادبی ہے	۱۲۴
۱۶۵	کافروں سے خط وکتابت کا نبوی کا طریقہ	۱۲۵
۱۶۶	کافروں کو سلام کرنے کا مسئلہ	۱۲۶
۱۶۷	اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو کیا کرے؟	۱۲۷
۱۶۸	خود غرضی کے سلام کا حکم	۱۲۸
۱۶۹	کافر کے سلام کا حکم	۱۲۹
۱۷۰	کافر سے بلا ضرورت مصافحہ کا حکم	۱۲۹
۱۷۱	پڑوسی کافر سے مصافحہ کا حکم	۱۲۹
۱۷۲	کافر کے ساتھ کھانے کا حکم	۱۳۰
۱۷۳	عیسائیوں کے سلام کا طریقہ	۱۳۰
۱۷۴	یہودیوں کے سلام کا طریقہ	۱۳۰
۱۷۵	یہود ونصاری کا طریقہ اسلام میں ممنوع ہے	۱۳۱
۱۷۶	صرف ہاتھ سے اشارہ کرنا بدعت ضالہ ہے	۱۳۲
۱۷۷	اشارہ اور سلام کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں	۱۳۲
۱۷۸	دوری کی وجہ سے سلام کے ساتھ اشارہ درست ہے	۱۳۲
۱۷۹	مجوسی کے سلام کا طریقہ	۱۳۲

۱۸۰	سلام کے وقت جھکنا ممنوع ہے	۱۳۳
۱۸۱	عربوں کے سلام کا طریقہ	۱۳۳
۱۸۲	حضرت مولانا فتح محمد صاحب کی رائے	۱۳۴
۱۸۳	مسلمانوں کے سلام کا طریقہ	۱۳۴
۱۸۴	مزاج پرسی کا ثبوت	۱۳۵
۱۸۵	خوش آمدید کہنے کا حکم	۱۳۵
۱۸۶	جن لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے اس کی تفصیل	۱۳۶
۱۸۷	نمازی کو سلام کا حکم	۱۳۶
۱۸۸	تلاوت کرنے والے کو سلام کا حکم	۱۳۶
۱۸۹	ذاکر کو سلام کا حکم	۱۳۶
۱۹۰	دوران درس سلام کا حکم	۱۳۷
۱۹۱	خطیب کو سلام کا حکم	۱۳۷
۱۹۲	تلاوت یا خطبہ سننے والے کو سلام کا حکم	۱۳۷
۱۹۳	تکرار کرتے وقت سلام کا حکم	۱۳۷
۱۹۴	قاضی یا مفتی کو سلام کا حکم	۱۳۸
۱۹۵	شرعی مسئلہ میں بحث کے وقت سلام کا حکم	۱۳۸
۱۹۶	اذان کے وقت سلام کا حکم	۱۳۹

۱۹۷	اقامت کے وقت سلام کا حکم	۱۳۹
۱۹۸	علوم شرعیہ کے درس کے وقت سلام کا حکم	۱۳۹
۱۹۹	جوان لڑکی کو سلام کا حکم	۱۳۹
۲۰۰	محرمات کے مرتکبین کو سلام کا حکم	۱۴۰
۲۰۱	صحبت کے وقت سلام کا حکم	۱۴۰
۲۰۲	کافر کو سلام کا حکم	۱۴۱
۲۰۳	ستر عورت کھولنے والے کو سلام کا حکم	۱۴۱
۲۰۴	پیشاب پاخانہ کرنے والے کو سلام کا حکم	۱۴۱
۲۰۵	کھاتے وقت سلام کا حکم	۱۴۱
۲۰۶	زندیق کو سلام کا حکم	۱۴۲
۲۰۷	مسخرہ کو سلام کا حکم	۱۴۲
۲۰۸	لغو باتیں کرنے والے کو سلام کا حکم	۱۴۳
۲۰۹	جھوٹے کو سلام کا حکم	۱۴۳
۲۱۰	بدبیں بازاری کو سلام کا حکم	۱۴۳
۲۱۱	گالی دینے والے کو سلام کا حکم	۱۴۳
۲۱۲	مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے کو سلام کا حکم	۱۴۴
۲۱۳	تلبیہ پڑھنے والے کو سلام کا حکم	۱۴۴

۲۱۴	کن لوگوں کے سلام کا جواب ضروری نہیں؟	۱۴۴
۲۱۵	بلا عذر سلام کے جواب میں تاخیر مکروہ تحریمی ہے	۱۴۵
۲۱۶	سلام کے جواب کا سنانا واجب ہے	۱۴۶
۲۱۷	باوضو جواب دینا مستحب ہے	۱۴۶
۲۱۸	متعین سلام کا حکم	۱۴۷
۲۱۹	اہل مجلس کو سلام کا حکم	۱۴۷
۲۲۰	مجلس واحد میں تکرار سلام کا حکم	۱۴۸
۲۲۱	سائل کے سلام کا جواب واجب نہیں	۱۴۸
۲۲۲	دخول مسجد کے وقت سلام کا حکم	۱۴۹
۲۲۳	پان کے بعد سلام	۱۴۹
۲۲۴	کون کس کو سلام کرے؟	۱۵۰
۲۲۵	سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے؟	۱۵۰
۲۲۶	سوار کے ابتداء بالسلام کی حکمت	۱۵۰
۲۲۷	چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے	۱۵۱
۲۲۸	چھوٹا بڑے کو سلام کرے	۱۵۱
۲۲۹	قلیل کثیر کو سلام کرے	۱۵۲
۲۳۰	پیچھے سے آنے والا آگے والے کو سلام کرے	۱۵۲

۲۳۱	شہری دیہاتی کو سلام کرے	۱۵۲
۲۳۲	مساوات کی صورت میں سلام کا حکم	۱۵۳
۲۳۳	کب تک سلام بند کیا جا سکتا ہے؟	۱۵۳
۲۳۴	مصافحہ	۱۵۴
۲۳۵	مصافحہ سے دونوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں	۱۵۵
۲۳۶	مصافحہ سے دلوں کی رنجش دور ہوتی ہے	۱۵۵
۲۳۷	مصافحہ سے دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے	۱۵۶
۲۳۸	مصافحہ سے دونوں کے گناہ جھڑتے ہیں	۱۵۶
۲۳۹	مصافحہ کرنے والے پر سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں	۱۵۷
۲۴۰	کثرت سے مصافحہ مستحسن ہے	۱۵۷
۲۴۱	کفار سے مصافحہ کا حکم	۱۵۸
۲۴۲	مصافحہ کا مسنون طریقہ	۱۵۹
۲۴۳	مصافحہ کے بعد اپنا ہاتھ چومنا	۱۵۹
۲۴۴	کسی عالم کا ہاتھ چومنا	۱۶۰
۲۴۵	بوسہ کی پانچ قسمیں	۱۶۰
۲۴۶	عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے	۱۶۱
۲۴۷	نماز عصر و فجر کے بعد مصافحہ بدعت ہے	۱۶۱

۲۴۸	معانقہ	۱۶۳
۲۴۹	کسی آنے والے کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہونا	۱۶۴
۲۵۰	مروجہ قیام کا حکم	۱۶۶
	احکام یوم الشک	۱۶۷
۱	پیش لفظ	۱۶۹
۲	تقریظ	۱۷۱
۳	**صوم "یوم الشک" کے اقسام:**	۱۷۳
۴	یوم الشک میں روزہ کی پہلی قسم	۱۷۳
۵	پہلی قسم کے مکروہ ہونے کی وجہ	۱۷۳
۶	صاحب مجمع ودرمختار کی رائے	۱۷۴
۷	علامہ اوزجندی کی رائے	۱۷۴
۸	یوم الشک کے روزہ کی دوسری قسم	۱۷۵
۹	صاحب مجمع الانہر کی رائے	۱۷۵
۱۰	یوم الشک کے روزہ کی تیسری قسم	۱۷۶
۱۱	امام فخر الدین کی رائے	۱۷۶
۱۲	صاحب مجمع کی رائے	۱۷۷
۱۳	اقسام ثلاثہ کا حکم	۱۷۷

۱۴	دوسری قسم کا حکم	۱۷۸
۱۵	تیسری قسم کا حکم	۱۷۸
۱۶	اقسام ثلاثہ کا ایک اور حکم	۱۷۸
۱۷	یوم الشک کا ایک اور حکم	۱۸۰
۱۸	دوسری قسم کا حکم	۱۸۱
۱۹	یوم الشک کے روزہ کی پہلی قسم	۱۸۲
۲۰	یوم الشک کے روزہ کی دوسری قسم	۱۸۳
۲۱	یوم الشک کے روزہ کی تیسری قسم	۱۸۳
۲۲	اقسام ثلاثہ کا حکم	۱۸۳
۲۳	یوم الشک کے روزہ کی ایک شکل	۱۸۴
۲۴	رویت کے ثبوت کے انتظار میں روزہ کا حکم	۱۸۴
۲۵	یوم الشک کے روزہ کی کل قسمیں	۱۸۵
۲۶	''یوم الشک'' میں روزہ رکھنا افضل ہے یا افطار	۱۸۶
۲۷	ایام عبادت میں یوم الشک آنے کا حکم	۱۸۷
۲۸	ایام عادت میں عوام وخواص برابر ہیں	۱۸۸
۲۹	خواص کا حکم	۱۸۹
۳۰	حضرت امام ابو یوسف کا واقعہ	۱۸۹

۳۱	’’یوم الشک‘‘ میں مفتی کی ذمہ داری	۱۹۰
۳۲	امام اوزجندی کی رائے	۱۹۱
۳۳	حضرت تھانوی کی رائے	۱۹۱
۳۴	خواص سے مراد کون ہیں	۱۹۲
۳۵	قاضی، مفتی کے علاوہ جو یوم الشک کے روزہ کی کیفیت جانتا ہو وہ بھی خواص میں داخل ہیں	۱۹۲
۳۶	عوام کے لئے حکم	۱۹۳
۳۷	چندروایتوں میں تطبیق	۱۹۴
۳۸	خلاصۂ کلام	۱۹۸
	المساعی المشکورة فی الدعاء بعد المکتوبة	۲۰۱
۱	پیش لفظ	۲۰۳
۲	مکتوب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب	۲۰۷
۳	مکتوب حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہری	۲۰۸
۴	تقریظ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری	۲۱۱
۵	تقریظ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جونپوری	۲۱۴
۶	استفتاء	۲۱۷

۷	مفتی فیض اللہ صاحب کا ارشاد اور اس کا جواب	۲۲۱
۸	فرائض کے بعد دعاء کا ثبوت	۲۲۲
۹	مستحب پر مداومت کو بدعت نہیں کہا جا سکتا	۲۲۳
۱۰	مفتی فیض اللہ صاحب کا دوسرا ارشاد اور اس کا جواب	۲۲۳
۱۱	فرائض کے بعد اثبات دعاء کی دوسری دلیل	۲۲۴
۱۲	فرائض کے بعد اثبات دعاء کی تیسری دلیل	۲۲۵
۱۳	فرائض کے بعد اثبات دعاء کی چوتھی دلیل	۲۲۵
۱۴	فرائض کے بعد اثبات دعاء کی پانچویں دلیل	۲۲۵
۱۵	فرائض کے بعد اثبات دعاء کی چھٹی دلیل	۲۲۶
۱۶	سلب کلی کے ابطال کے لئے اثبات جزئی کافی ہے	۲۲۷
۱۷	مفتی فیض اللہ صاحب کا تیسرا ارشاد اور اس کا جواب	۲۲۷
۱۸	ابن تیمیہ کی رائے	۲۲۷
۱۹	ابن عرفہ کی رائے	۲۲۸
۲۰	مفتی فیض اللہ صاحب کا چوتھا ارشاد اور اس کا جواب	۲۲۸
۲۱	مفتی فیض اللہ صاحب کا پانچواں ارشاد اور اس کا جواب	۲۲۹
۲۲	مفتی فیض اللہ صاحب کا چھٹا ارشاد اور اس کا جواب	۲۲۹
۲۳	مفتی فیض اللہ صاحب کا ساتواں ارشاد اور اس کا جواب	۲۳۰

۲۴	مفتی فیض اللہ صاحب کا آٹھواں ارشاد اور اس کا جواب	۲۳۱
۲۵	مفتی فیض اللہ صاحب کا نواں ارشاد اور اس کا جواب	۲۳۳
۲۶	مفتی فیض اللہ صاحب کا دسواں ارشاد اور اس کا جواب	۲۳۴
۲۷	مفتی فیض اللہ صاحب کا گیارھواں ارشاد اور اس کا جواب	۲۳۴
۲۸	مفتی فیض اللہ صاحب کا تسامح نمبر ایک	۲۳۷
۲۹	مفتی فیض اللہ صاحب کا تسامح نمبر دو	۲۳۷
۳۰	مفتی فیض اللہ صاحب کا تسامح نمبر تین	۲۴۰
۳۱	علامہ بنوری کی رائے	۲۴۳
۳۲	مدارس کے علماء وطلباء کا معمول	۲۴۳
۳۳	خلاصۂ کلام	۲۴۵
۳۴	افضل یہ ہے کہ فرائض کے بعد سنت سے پہلے دعاء میں مشغول ہو	۲۴۶
۳۵	امام شاطبی کے قول کی توجیہ	۲۴۷
۳۶	امام مالک کی رائے	۲۴۸
۳۷	علامہ قرافی کے قول کی توجیہ	۲۴۸
۳۸	ابن عرفہ کی رائے	۲۴۹
۳۹	حضرات شوافع کے نزدیک فرائض کے بعد دعاء مستحب ہے	۲۵۰

۴۰	حنابلہ کی رائے	۲۵۰
۴۱	حضرات احناف کی رائے	۲۵۱
۴۲	دوسرا جواب	۲۵۲
۴۳	ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۵۳
۴۴	حاصل کلام	۲۵۴
۴۵	حضرت اسود بن عامر کی روایت کی تحقیق	۲۵۵
۴۶	حدیث انس کی تحقیق	۲۵۵
	مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں	۲۵۹
۱	فکر حبیب	۲۶۱
۲	**مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں:**	۲۶۳
۳	زنا کی تباہ کاری	۲۶۳
۴	امت کے لئے قابل اقتداء شخصیات	۲۶۴
۵	خدا ترسی فطرت کا تقاضہ ہے	۲۶۵
۶	اسلام نے برائی کے راستوں پر چوکیدار بٹھا دیا ہے	۲۶۵
۷	انسانیت کے آلودۂ معصیت ہونے کے اسباب	۲۶۶
۸	اسلامی تعلیمات کی گرفت کا احساس ہونا چاہیے	۲۶۶

۹	اسلام ارتکاب معصیت کو برداشت نہیں کرتا	۲۶۶
۱۰	اسلام کے پیش نظر حیوانوں کا جنگل بسانا نہیں ہے	۲۶۷
۱۱	اسلام انسان کو انسانیت کے ڈھانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے	۲۶۷
۱۲	شراب نوشی کی تباہ کاریاں	۲۶۷
۱۳	اسلام کا اعلان حرمتِ شراب	۲۶۸
۱۴	اسلام اور آج کا معاشرہ	۲۶۸
۱۵	شراب کے سلسلہ میں ارشادات نبوی	۲۶۹
۱۶	شراب کے نقصانات	۲۷۱
۱۷	گانا باجا کی تباہ کاری	۲۷۳
۱۸	آج کے مسلمانوں کی بدحالی	۲۷۴
۱۹	گانا باجہ اور مسلمان	۲۷۴
۲۰	گانے باجے کے مہلک اثرات	۲۷۵
۲۱	گانے باجے کے سلسلہ میں ارشادات نبوی	۲۷۵
۲۲	گانے باجے کے بارہ میں صحابہ واسلاف کا عمل	۲۷۷
۲۳	زنا کاری کے اسباب	۲۷۸
۲۴	ٹی وی کے نتائج بد	۲۷۹
۲۵	مسلمانوں کا حالِ بد	۲۸۰

۲۶	مسلمان اور یہود ونصاری	۲۸۰
۲۷	مسلم بچوں پرٹی وی کے اثرات	۲۸۱
۲۸	مسلمانوں کے گھروں کا حال زار	۲۸۲
۲۹	ٹی وی کی آمد کے اثرات	۲۸۳
۳۰	ٹی وی کے جواز کے لئے شیطانی فریب	۲۸۳
۳۱	ٹی وی کے خطرناک نتائج اوراس کی سنگینی	۲۸۴
۳۲	ٹی وی کے نقصانات	۲۸۵
۳۳	ٹی وی ایمان کے لئے ٹی بی ہے	۲۸۶
۳۴	خلاصۂ کلام	۲۸۷
	والدین کا پیغام زوجین کے نام	۲۸۹
۱	پیش لفظ	۲۹۱
۲	مبتداءِ نکاح	۲۹۳
۳	خبرِ نکاح	۲۹۵
۴	نوشہ کا وقت امتحان	۲۹۷
۵	ماضی و مستقبل کا تقابل	۲۹۸
۶	مکارم اخلاق کی ایک جھلک	۲۹۹

۷	نکاح اسلام کی نظر میں	۳۰۰
۸	لڑکی اور ماضی کی ایک جھلک	۳۰۲
۹	سسرالی زندگی	۳۰۴
۱۰	عورتوں (بیوی) کے لئے خصوصی ہدایات	۳۰۷
۱۱	مردوں (شوہر) کے لئے خصوصی ہدایات	۳۱۰
۱۲	اشتراط فی النکاح کا حکم	۳۱۴
۱۳	نکاح سے قبل اسلامی تعلیمات کی ضرورت	۳۱۴
۱۴	نکاح کے اقسام ثلاثہ	۳۱۵
۱۵	نکاح میں شرائط کی دو قسمیں	۳۱۵
۱۶	تفویض کے اقسام ثلاثہ	۳۱۵
۱۷	نان ونفقہ کا حکم	۳۱۶
۱۸	ایک سے زائد نکاح نہ کرنے کے عہد کا حکم	۳۱۶
۱۹	طلاق کی تفویض کا حکم	۳۱۷
۲۰	نکاح میں شرط کی مختلف شکلیں	۳۱۷
۲۱	تفویض طلاق کی احسن صورت	۳۱۸
۲۲	عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط کا حکم	۳۱۹

☆☆☆

پیش لفظ

مستقل کسی ایک موضوع پر کام کرنے کا مزاج زمانۂ سلف سے چلا آ رہا ہے، چنانچہ ماضی میں اس کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں جو اجزاء ورسائل کے نام سے موسوم ہیں۔اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مصنف اپنی ساری صلاحیت اور توجہ کو کسی ایک موضوع پر مرکوز کر دیتا ہے جسکی وجہ سے اسکے سارے اجزاء منقح ہو کر یکجا ہو جاتے ہیں اس طرح وہ موضوع اپنے تمام اجزاء کے ساتھ نکھر کر قارئین کے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تصنیف و تالیف انتہائی اہم کام ہے جسکی صلاحیت ہر ایک کے پاس نہیں ہوتی کچھ چیدہ اور برگزیدہ افراد ہی اس عظیم دولت کے حامل ہوتے ہیں جنکی علمی کاوشیں کتب خانوں کی زینت بن کر ایک طویل عرصہ تک فیض رسانی کا کام کرتی ہیں اس میں خاص طور پر کسی ایک موضوع پر کام کرنا اور اس کے تمام جزئیات کو کتابوں کے ذخیرہ سے نکالکر اور نکھار کر قارئین کی نذر کرنا یقیناً طویل المدت جد و جہد اور سعی بلیغ کا محتاج ہوتا ہے۔

لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اس امت میں ایسے رجال کار پیدا فرمائے جو تمام تر علائق اور موانع سے الگ ہو کر اس اہم علمی و دینی فریضہ میں مشغول رہے اور امت کو ان کی علمی اور دینی رہبری کے لئے ایک بڑا

ذخیرہ جمع کردیا جس سے امت قیامت تک مستفیض ہوتی رہے۔

اپنے انہی اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس خادم نے بھی تمام تر علائق اور موانع کے باوجود اپنے کو خدمت دین اور تبلیغ دین کے لئے وقف کردیا۔

چنانچہ الحمدللہ اب تک بفضلہٖ تعالیٰ چالیس کتابیں وجود میں آچکی ہیں اور طبع ہوکر عوام وخواص اصاغر واکابر کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔اسی سلسلہ کی ایک کڑی ''رسائل حبیب الامت'' بھی ہے۔

یہ کتاب ان مختلف رسائل کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں اپنے بڑوں کے حکم وخواہش پر اس خادم نے لکھے۔

رسائل حبیب الامت (جلد دوم) اس وقت آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے، یہ کتاب پانچ رسائل کا مجموعہ ہے۔

(۱) ''احب الکلام فی مسئلۃ السلام'' (اسلام میں سلام کی اہمیت وحیثیت)

اس کتاب میں اس خادم نے ایک سال کی عرق ریزی کے بعد سلام کے سلسلہ میں آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کو جمع کیا اور دل نشیں انداز میں ان کی توضیح وتشریح کے ساتھ قیمتی کتابوں سے سلام ومصافحہ وقیام جیسے اہم مباحث پر مسائل کو یکجا کیا، جب یہ کتاب اکابرین وقت کے ہاتھوں میں پہونچی تو انہوں نے اس کو بے حد پسند کیا، بالخصوص حضرت مولانا ارشاد صاحب مبلغ دار العلوم دیوبند نے اس کے سینکڑوں نسخے منگوائے اور اکثر جلسوں میں اس کتاب اور صاحب کتاب کا اپنی زبان سے خود

تعارف فرماتے اور سامعین وحاضرین کو یہ کتاب خرید کر پڑھنے کی ترغیب دیتے۔اسی طرح حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوریؒ نے کتاب کو حرفاً حرفاً سنا اوراپنی حیات میں اس کو شائع کراکر تقسیم فرمایااوراس خادم کی دل کھول کر پذیرائی فرمائی۔اسی طرح حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے ہاتھوں میں یہ کتاب پہونچی تو حضرت نے بھی بے حد پسند کی اور دعاؤں سے نوازا۔بعد کے بہت سے اصاغر نے جب سلام کے موضوع پر کوئی مقالہ یارسالہ لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کتاب کو ماخذ بنائے بغیر وہ نہیں رہ سکے۔الغرض اپنے موضوع پر بے حد کامل ومکمل وقابل استفادہ یہ کتاب ہے۔

(۲) دوسرے نمبر پر''احکام یوم الشک'' کے نام سے ایک رسالہ ہے۔ یہ رسالہ بھی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ کے حکم پرایک خاص پس منظر میں اس خادم نے لکھا۔حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب جلال پوریؒ نے مدرسہ کرامتیہ جلال پور کی جامع مسجد میں ایک مرتبہ یہ بیان فرمایا کہ اللہ کے رسولﷺ کاارشاد ہے:''**من صام یوم الشک فقد عصیٰ أبا القاسم**'' یعنی اگرانتیس شعبان کوکسی وجہ سے چاند نہ دکھائی دے تو تیس شعبان یوم الشک کہلاتا ہے،اس دن روزہ رکھنا ممنوع ہے،اس کے بعد جلال پورکاایک وفد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ کی خدمت میں بغرض ملاقات آیا جس میں دیگر احباب کے ساتھ حاجی محی الدین صاحب جلال پوری بھی تھے، دوران ملاقات انہوں نے حضرت مولانا ضمیر صاحب جلال پوری کی تقریر کا تذکرہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری سے کیا،حضرت مولانا نے ان کی بات

سننے کے بعد اس خادم کو طلب فرمایا اور پوری بات نقل کر کے حکم فرمایا کہ مفتی صاحب اس موضوع پر کوئی رسالہ لکھ دیں، ہمارے جلال پور کے یہ احباب اس کو طبع کرا کر تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا کے حکم پر افتاء وتدریس کی تمام تر مصروفیات کے ساتھ اس موضوع پر کام کرنا شروع کیا اور الحمدللہ چند مہینے کی عرق ریزی کے بعد ''احکام یوم الشک'' کے نام سے یہ رسالہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا نے اس کتاب کا ایک ایک حرف سنا اور اس کی تائید وتوثیق فرمائی اور اس کی اشاعت کروا کر جلال پور کے احباب کے سپرد فرمایا جس کو جلال پور کے احباب نے لے جا کر پورے قصبے میں تقسیم کیا۔

(۳) تیسری کتاب ''المساعی المشکورہ فی الدعاء بعد المکتوبہ'' ہے۔ مفتی فیض اللہ صاحب جو بنگلہ دیش کے بڑے علماء میں سے تھے اور اکابر علماء سے ان کو تلمذ کا شرف بھی حاصل تھا، لیکن بعض کتابوں کی عبارات سے ان کو غلط فہمی پیدا ہوئی اور فرائض کے بعد اجتماعی دعاء کو بدعت سیۂ قرار دے دیا جس کی وجہ سے بنگلہ دیش کے دینی وعلمی حلقہ میں شدید انتشار پیدا ہوگیا، ان کی لکھی ہوئی کتاب استفتاء کے ساتھ مولانا ثمر احمد صاحب جون پوری نے خادم کے پاس بھجوایا، جب حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری علیہ الرحمہ کی خدمت میں یہ استفتاء پیش کیا تو حضرت کا حکم ہوا کہ اس موضوع پر ایک رسالہ آپ لکھیں۔ چنانچہ حضرت کے حکم پر کئی مہینے کی عرق ریزی کے بعد رسالہ مرتب کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا، حضرت نے ایک ایک

سطر پڑھوا کر سنا اور بے حد پسند فرمایا اور اس کو طبع کروا کر بنگلہ دیش اور ہندوستان میں تقسیم کروایا۔

(۴) ''مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں'' یہ رسالہ جمعیت علماء ہند کی طرف سے دومرتبہ اصلاح معاشرہ کے سفر کے بعد لکھا جس میں شراب نوشی، زنا کاری، سنیما بینی، جیسی مہلک تباہ کاریوں کو آیات وروایات کی روشنی میں امت کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، یہ چھوٹا سا رسالہ بھی کافی مقبول ہوا، اور جمعیت علمائے ہند نے اصلاح معاشرہ کے مرکزی پروگرام میں ہزاروں کی تعداد میں شائع کروا کر عوام وخواص میں تقسیم کروایا۔

(۵) ''والدین کا پیغام زوجین کے نام'' یہ رسالہ اس خادم نے چالیس سال قبل اس وقت لکھا جب خادم کے ایک دوست حاجی نور الحسن صاحب جلال پوری نے شادی کے ایک موقع سے خادم سے یہ درخواست کی کہ مفتی صاحب کوئی چھوٹا سا ایسا رسالہ لکھ دیں جس کو چھپوا کر شادی کے موقع پر اس کو تقسیم کیا جاسکے۔ چنانچہ ان کی خواہش کے احترام میں یہ رسالہ مرتب کیا جو طبع ہوکر تقسیم ہوا، اس کے بعد درجنوں مرتبہ یہ کتاب شائع ہوئی اور سیکڑوں شادیوں میں یہ رسالہ تقسیم کیا جاچکا ہے، جس نے بھی پڑھا اس کو پسند کیا اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

دعا ہے کہ اللہ پاک رسائل حبیب الامت جلد اول کی طرح جلد دوم کو بھی عوام وخواص کے لئے نافع بنائے اور اس خادم کی نجات اخروی کا ذریعہ بنائے۔ اب

زندگی کے بہت کم لمحات باقی رہ گئے ہیں، موانع کی کثرت کے ساتھ علمی کام بہت سے باقی ہیں، اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے ہر قسم کے شرور وفتن سے اس خادم کی حفاظت فرمائے اوران علمی خدمات کواپنی رضاءاور خوشنودی کا ذریعہ بنائے۔

فقط

مفتی حبیب اللہ قاسمی

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور

سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

۲؍رجب المرجب ۱۴۴۴ھ

۲۵؍جنوری ۲۰۲۳ء

یوم چہارشنبہ

قال النبی ﷺ إن أولی الناس بالله من بدأ بالسلام

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ کے نزدیک سب سے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں ابتداء کرے''

احب الکلام فی مسئلۃ السلام

(اسلام میں سلام کی اہمیت وحیثیت)

(اس میں سلام کے فضائل ومسائل، اور خط وکتابت کا نبوی طریقہ، مزاج پرسی، چھینک وجمائی، مصافحہ، معانقہ، دست بوسی، قیام جیسے اہم مضامین تفصیل کے ساتھ انتہائی سہل انداز میں مکمل ومدلل بیان کیے گئے ہیں)۔

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

پیش لفظ

میرے ایک مخلص دوست بیٹھے ہوئے اسلامی معاشرہ کا ایک سرسری جائزہ لے رہے تھے اسی کے ساتھ یہ جز بھی خاص طور پر پیش نظر تھا کہ کوئی ایسی سنت تلاش کی جائے جو ہلکی ہو لیکن ہر وقت اس کی ضرورت پڑتی ہو، چنانچہ سلام ایسی سنت ملی جو کثیر الاستعمال اور موجب خیرات و برکات ہے، لیکن عام طور پر لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں اور ہمارے نوجوان نئی تہذیب سے متاثر بھائیوں نے اس سنت کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، اس لئے کہ سلام کے بجائے انگریزی الفاظ کے استعمال کو باعث فخر سمجھتے ہیں، اور شاید کبھی اس کا احساس بھی نہیں ہوتا ہوگا کہ اس کی وجہ سے ہم کہاں سے کہاں جارہے ہیں؟ آج ہمارے زوال کے جہاں بہت سے اسباب ہیں ان میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم غیروں کے معاشرہ سے اتنا زیادہ متاثر ہو چکے ہیں کہ ہماری زندگیوں سے سنتیں کیا بہت سے فرائض و شعائر نکل چکے ہیں لیکن ہمیں اتنی فرصت نہیں کہ اس پر ہم غور کریں اور طریق مصطفیٰ کو اپنائیں۔

بہرحال خادم نے ذہنی طور پر یہ طے کرلیا کہ سلام کے فضائل و مسائل کو یکجا کرنا ہے تاکہ سلام کی اہمیت دلوں میں پیدا ہو اور اس کے فضائل و مسائل سے بھی پورے طور پر واقفیت حاصل ہوجائے، چنانچہ اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا اور

جب فضائل کے بعد مسائل پر پہنچا تو کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سی گتھیاں ایسی آئیں کہ ان کا سلجھانا مشکل ہوگیا، لیکن بحمد اللہ، اللہ کے فضل وکرم اور اپنے اکابرین کی دعاء وتوجہ کی برکت سے تقریباً دوسال میں اس کی تکمیل ہوگئی۔

اس موقع پر بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس کا تذکرہ نہ کروں کہ خادم کے محسن مرشدی ومولائی حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ ریاض العلوم گوریني جونپور کی عنایت وتوجہ سے خادم کی محنت کتابی شکل میں آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے، نیز اپنے مصروف اوقات میں سے کچھ وقت فارغ فرما کر اس کو سنا اور پسند فرمایا اللہ تعالی ان کے سایۂ عاطفت کوتا دیر قائم رکھے۔ آمین۔

اخیر میں اپنی کم مائیگی کے اعتراف کے ساتھ قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالی اس محنت کو قبول فرمائے اور اخروی نجات کا ذریعہ بنائے، اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یلوح الخط فی القرطاس دھراً
وکاتبہ رمیم فی التراب

فقط

مفتی حبیب اللہ القاسمی

۹ ؍ذی قعدہ یوم چہار شنبہ ۱۴۰۴ھ

میں نے از اول تا آخر اس کتاب کو سنا ہے

بقلم حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالحلیم صاحب نوراللہ مرقدہ

سابق ناظم مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور

حضور پاک ﷺ کی ہر ایک سنت اس قابل ہے کہ اس کو اپنایا جائے اور دوسروں تک پہنچایا جائے، اس لئے کہ کسی سنت پر خود عمل کرنا جس طرح احیاء سنت ہے اسی طرح اس کی نشر واشاعت بھی احیاء سنت میں داخل ہے، ہر زمانہ میں اپنے اپنے انداز سے علماء کرام نے ترویج سنت کی کوشش کی اور لوگوں کے سامنے صحیح رُخ پیش کرنے کی سعی کی، اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے عزیز گرامی قدر مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی سلمہ کو کہ انھوں نے سلام جس کی ضرورت ہر وقت پیش آتی ہے اس کے فضائل ومسائل کو انتہائی عرق ریزی اور کاوش پیہم کے بعد کتابی شکل میں جمع کر کے لوگوں کے لئے سہولت اور علماء کرام کے لئے مواد فراہم کر دیا، میں نے از اول تا آخر اس کو سنا ان کی یہ سعی قابل قدر ہے امید کہ قارئین بھی اس کو پسند فرمائیں گے۔

دعا ہے اللہ تعالی اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے اور صاحب کتاب کے لئے ذریعۂ نجات وترقی دارین بنائے، اور عامۃ المسلمین کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

حبیب الفتاوی

سلام کے متعلق قرآنی تذکرہ

آیت نمبر (۱):

”وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا“ (سورہ نساء)۔

(اور جب تم کوکوئی سلام کرے تو تم اس سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دو بلا شبہ اللہ تعالی ہر چیز پر حساب لیں گے) (بیان القرآن ۵۶/۵)۔

اور جب تم کوکوئی مشروع طور پر سلام کرے تو تم اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو۔ یعنی جواب دو یا جواب میں ویسے ہی الفاظ کہہ دو تم کو دونوں اختیار دیئے جاتے ہیں۔ بلا شبہ اللہ تعالی ہر چیز پر یعنی ہر عمل پر حساب لیں گے یعنی ان کا قانون یہی ہے اور یوں اپنے فضل سے معاف کردیں وہ اور بات ہے۔

سلام کے آداب:

خداوند قدوس نے اس آیت کریمہ میں سلام اور اس کے جواب کے آداب بیان فرمائے ہیں، اس آیت میں ایک لفظ ”تحیۃ“ آیا ہے مقصود کی طرف رجوع کرنے

سے قبل اس کی توضیح ضروری ہے تا کہ آنے والے مضامین کے سمجھنے میں کوئی تردد نہ ہو۔

لفظ تحیہ کی تحقیق:

"تحیہ" کے لفظی معنی کسی کو حَيَّاکَ اللهُ کہنا یعنی خداوند قدوس آپ کو زندہ رکھے۔ حضور پاک ﷺ کی بعثت سے قبل عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب ایک دوسرے سے ملاقات ہوتی تو "حَيَّاکَ اللهُ" یا "أَنْعَمَ اللهُ بِکَ عَيْنًا" یا "أَنْعِمْ صَبَاحًا" وغیرہ الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے، لیکن حضور پرنور ﷺ کی بعثت کے بعد عربوں کے سلام کے قدیم الفاظ کو بدل کر اس کی جگہ "السلام علیکم" کہنے کا طریقہ جاری کیا گیا، جس کے معنی یہ ہیں "تم ہر تکلیف اور رنج و مصیبت سے سلامت رہو"۔

علامہ ابن العربی احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ سلام اللہ تعالی کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور "السلام علیکم" کے معنی ہیں "اَللّٰهُ رَقِيْبٌ عَلَيْكُمْ"، یعنی اللہ تعالی تمہارا محافظ ہے۔

سلام محمدی دیگر تمام اقوام کے سلام سے افضل ہے:

صاحب معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ دنیا کی ہر مہذب قوم میں اس کا رواج ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو کوئی کلمہ آپس کی موانست اور اظہار محبت کے لئے کہیں لیکن اگر موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا

کہ اسلامی سلام جتنا جامع ہے کوئی دوسرا اسلام اتنا جامع نہیں، کیونکہ اس میں صرف اظہارِ محبت ہی نہیں بلکہ ساتھ ہی ادائے حق محبت بھی ہے کہ اللہ تعالی سے یہ دعا کرتے ہیں کہ آپ کو تمام آفات وآلام سے سلامت رکھے، پھر دعاء بھی عرب کے طرز پر صرف زندہ رہنے کی نہیں بلکہ حیات طیبہ کی دعاء ہے یعنی تمام آفات وآلام سے محفوظ رہنے کی، اسی کے ساتھ اس کا بھی اظہار ہے کہ تم اور ہم سب اللہ تعالی کے محتاج ہیں، ایک دوسرے کو کوئی نفع بغیر اس کے اذن کے نہیں پہنچا سکتا، اس معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے اور اپنے مسلمان بھائی کو خدا کی یاد دلانے کا ایک ذریعہ بھی، اسی کے ساتھ اگر یہ دیکھا جائے کہ جو شخص اللہ تعالی سے یہ دعا مانگ رہا ہے کہ ہمارے ساتھی کو تمام آفات وتکالیف سے محفوظ فرمادے تو اس کے ضمن میں وہ گویا یہ وعدہ بھی کررہا ہے کہ تم میرے ہاتھ اور زبان سے مامون ہو، تمہاری جان، مال، آبرو کا میں محافظ ہوں۔

ابن عیینہ کا ارشاد:

ابن العربی نے احکام القرآن میں ابن عیینہ کا یہ قول نقل کیا ہے "أَتَدْرِيْ مَا السَّلَامُ؟ يَقُوْلُ أَنْتَ آمِنٌ مِنِّيْ" یعنی تم جانتے ہو کہ سلام کیا چیز ہے؟ سلام کرنے والا یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون رہو۔

اسلامی تحیہ کی جامعیت:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی تحیہ ایک ہمہ گیر جامعیت رکھتا ہے۔

(۱) اللہ جل شانہ کا ذکر (۲) تذکیر (۳) اپنے مسلمان بھائی سے اظہار تعلق ومحبت (۴) اس کے لئے بہترین دعاء (۵) اور اس سے یہ معاہدہ کہ میرے ہاتھ اور زبان سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی جیسا کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے: "قَالَ إِنَّ رَجُلاً سَئَلَ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ" (مشکوۃ ۱۲/۱)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور پاک ﷺ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں میں کون سب سے اچھا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان مامون ومحفوظ رہیں۔

لفظ سلام اور لمحہ فکریہ:

کاش آج کے مسلمان اس کلمہ کو عام لوگوں کی رسم ورواج کی طرح نہ ادا کرتے بلکہ اس حقیقت کو سمجھ کر اختیار کرتے تو شاید پوری قوم کی اصلاح کے لئے یہی ایک جملہ کافی ہوجاتا، یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ترویج سلام کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور اس کو افضل الاعمال قرار دیا ہے اور اس کے فضائل وبرکات اور اجر وثواب کو بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے چنانچہ عنقریب وہ روایتیں نذر قارئین کی جائیں گی۔

سلام کا جواب بہتر الفاظ میں دینے کا مطلب:

مذکورہ آیت کریمہ میں یہ حکم ہے کہ سلام کا جواب بہتر الفاظ میں دو یا کم از کم اس

کے مثل کے ساتھ دو، یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ قرآن پاک کی حیثیت متن کی ہے اور حضور پاک ﷺ کی زندگی اس کے لئے شارح کی ہے، اور آپ نے پوری زندگی شارحانہ انداز میں گزاری کوئی آیت کوئی حکم ایسا نہیں جس کی توضیح آپ نے نہ کی ہو، چنانچہ اس آیت کریمہ کی بھی آپ نے تشریح فرمائی اور عمل کر کے امت کے لئے لائحہ عمل بنا دیا۔

ایک حدیث سے بہتر جواب کی وضاحت:

چنانچہ ابن جریر وابن ابی حاتم نے مختلف سندوں سے اس روایت کی تخریج کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور پاک ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا ''اَلسَّلامُ عَلَيْکَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ'' آپ نے جواب میں ایک کلمہ بڑھا کر فرمایا ''وَعَلَيْکُمُ السَّلامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' پھر ایک صاحب آئے اور انہوں نے بایں الفاظ سلام کیا ''اَلسَّلامُ عَلَيْکَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' آپ نے جواب میں ایک اور کلمہ بڑھا کر فرمایا ''وَعَلَيْکُمُ السَّلامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ'' پھر ایک اور صاحب آئے، اور انہوں نے سلام ہی میں تینوں کلمے کہہ دیئے ''اَلسَّلامُ عَلَيْکَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ'' آپ نے جواب میں صرف ایک کلمہ ''وعلیک'' ارشاد فرمایا ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میرے ماں باپ آپ پر قربان، پہلے جو حضرات آئے آپ نے ان کے جواب میں کئی کلمات دعا کے ارشاد فرمائے اور میں نے ان سب الفاظ سے سلام کیا تو آپ نے ''وعلیک''

پر اکتفاء فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے ہمارے لئے کوئی کلمہ چھوڑا ہی نہیں کہ ہم جواب میں اس کا اضافہ کرتے، تم نے سارے کلمات اپنے سلام ہی میں جمع کر دیئے اس لئے ہم نے قرآنی تعلیم کے مطابق تمہارے سلام کا جواب بالمثل دینے پر اکتفاء کرلیا (معارف القرآن ۲/۵۰۳)۔

خلاصۂ وضاحت:

اس حدیث پاک سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام کا جواب اس سے اچھے الفاظ میں دینے کا جو حکم آیت مذکورہ میں آیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سلام کرنے والے کے الفاظ سے بڑھا کر جواب دیا جائے، مثلاً اس نے کہا ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ تو آپ بایں الفاظ جواب دیں ”وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ“ اور اگر اس نے کہا ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ“، تو آپ جواب میں کہیں ”وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ“۔

آیت نمبر (۲):

”فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَة“ الآیہ (سورہ نور:۱۴)۔

ترجمہ مع تشریح:

جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو (یعنی وہاں جو مسلمان ہوں

اُن کو) سلام کیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے اور) جو خدا کی طرف سے مقرر ہے اور (بوجہ اس پر ثواب ملنے کے) برکت والی (اور بوجہ مخاطب کا دل خوش کرنے کے) عمدہ چیز ہے (بیان القرآن)۔

ایک ادب کا بیان:

اس آیت کریمہ میں خداوند قدوس نے ایک خاص وقت کے خاص حکم کو بیان فرمایا ہے جس کا تعلق ادب سے ہے، وہ یہ کہ جب کوئی شخص کسی مکان میں داخل ہو خواہ وہ اپنا مکان ہو یا غیر کا (لیکن غیر کے مکان میں داخل ہونے کے لئے اجازت ضروری ہے) اس لئے سلام کرلیا کرو، اس سلام کو خداوند قدوس نے من عند اللہ فرما کر اپنی طرف منسوب کیا کہ یہ خدا کی طرف سے مقرر ہے، نیز خداوند قدوس نے اس کو برکت اور عمدہ چیز قرار دی۔ کاش ہمارے مسلمان بھائی اس پر عمل پیرا رہتے اور اس کے ذریعہ اپنے گھروں میں خیر و برکت جمع کرنے کی سعی کیا کرتے۔

اپنے گھر میں جاتے وقت بھی سلام کرنا چاہئے:

امام ترمذی نے حضرت انسؓ سے حضور پاک ﷺ کی ایک روایت نقل کی ہے:

"قَالَ لِیْ اَلنَّبِیُّ ﷺ یَا بُنَیَّ إِذَا دَخَلْتَ عَلٰی أَهْلِکَ فَسَلِّمْ یَکُنْ سَلَامُکَ بَرَکَةً عَلَیْکَ وَعَلٰی أَهْلِ بَیْتِکَ" (ترمذی شریف: مشکوۃ

شریف۲/۳۹۹، درر فرائد۴/۹)۔

(حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹا جب اپنے گھر والوں کے پاس پہنچا کرو تو سلام کیا کرو تمہارا سلام تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے موجبِ خیر و برکت ہوگا)۔

اس حدیث پاک سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ سلام صرف بیگانوں اور دیر کے بعد ملنے والوں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ بیوی بچوں کو بھی سلام کرنا چاہئے اور جب جب داخل ہو سلام کرنا چاہئے، اس لئے کہ سلام کو حضور نے موجب برکت قرار دیا ہے۔

ترک سلام کی نحوست:

لیکن افسوس کہ آج ہم سب برکت کے فقدان پر سرگرداں و حیران تو نظر آتے ہیں، اور اس کی تحصیل کے لئے تعویذ والوں کے پاس جاکر برکت کی تعویذ حاصل کرنے کی تو کوشش کرتے ہیں لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی تلاش نہیں ہوتی، اسے معلوم کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے علاج وطریقہ سے بڑھ کر کسی کا فرمان نہیں ہوسکتا۔

اسی سنت (سلامِ دخول) کے ترک کی نحوست ہے کہ آج ہمارے گھروں میں آئے دن قسم قسم کی ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہتی ہیں، اور ہم معاشی تنگی میں مبتلا رہتے

ہیں، ہر چیز میں بے برکتی محسوس ہوتی ہے، کاش ہم اپنا معمول بدل لیں، اور اس کا اہتمام شروع کر دیں کہ گھر میں داخل ہوتے ہی پہلا کام یہ کریں کہ گھر والوں کو سلام کریں۔ پھر دیکھیں انشاء اللہ کیسی برکت ہوتی ہے، اور زندگی کس انداز کی گزرتی ہے۔آج کا نوجوان طبقہ تو خاص طور پر خارجی فضا سے اتنا متاثر ہو کر گھر میں جاتا ہے کہ پہلا لفظ یا تو کسی گالی کا ہوگا، یا کسی گانے کی آواز سنائی دے گی، یا کوئی بات شروع کر دے گا غرضیکہ سلام کا اہتمام بالکل دلوں سے نکل چکا ہے۔

بات شروع کرنے سے پہلے سلام کا حکم:

حالانکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ" (ترمذی شریف؛ جمع الفوائد ۴/۹)۔

(سلام کلام سے پہلے ہے)۔

بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے بات شروع کر دے اس کی بات کا جواب نہ دو۔

"قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَكَلَّمَ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِيْبُوْهُ" (درة الناصحين/۵۹)۔

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص سلام سے پہلے گفتگو شروع کر دے اس کا جواب نہ دو)۔

لمحۂ فکریہ:

لیکن انتہائی قلق کے ساتھ اس کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ آج کسی کے بھی ذہن میں یہ بات نہیں آتی، حالانکہ مصائب ومضائق میں گرفتاری کی وجہ یہی ہے کہ سنتوں پر عمل کرنے کا اہتمام ختم ہوگیا۔ اگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو ان حضرات کی پوری زندگی اتباع سنت کے دامن میں چھپی ہوئی نظر آئے گی، اس وقت ہر فرد تلاش کرکے اتباع سنت کی کوشش کرتا۔

ذرا غور تو فرمائیں! صرف ایک صحابی کا عمل پیش ہے اس سے ہم اپنے اعمال کا موازنہ کرکے تجزیہ کریں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کا صرف سلام کرنے کے لئے بازار جانا:

حضرت طفیل بن ابی بن کعب حضرت ابن عمرؓ کے پاس آتے، اور ان کے ساتھ صبح سویرے بازار جایا کرتے تھے، کہتے ہیں کہ جب ہم چلتے تو ابو عبداللہ (ابن عمر) جس کباڑی یا دوکاندار یا مسکین کے پاس سے گذرتے اس کو سلام ضرور کرتے، ایک دن میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے بازار جانے کے لئے مجھے اپنے ساتھ لیا، میں نے عرض کیا کہ بازار جاکر کیا کیجئے گا نہ تو آپ کسی دوکان پر ٹھہریں، نہ کسی سودے کو دریافت کریں، نہ نرخ پوچھیں، نہ بازاری جلسوں میں بیٹھیں، (پھر بازار جانے سے کیا حاصل کیا فائدہ) یہیں بیٹھئے کہ باتیں کریں گے، ابن عمرؓ نے فرمایا اے ابوالبطن (کان

الطفیل ذا بطن) ہم تو صرف سلام کی غرض سے جایا کرتے ہیں، کہ جس سے ملیں اس کو سلام کریں (موطا امام مالک؛ مشکوۃ شریف ۲/۴۰۰، درر فرائد ۴/۱۰)۔

صحابیٔ رسول کی سوچ:

یہ ہیں حضرات صحابۂ کرام کہ شر البقاع کو بھی جالب اجر وثواب بنا دیتے تھے، ذرا غور فرمائیں! ثواب کے ذخیرہ اندوزی کا کس قدر اہتمام تھا کہ بازاروں میں جا جا کر مجمع وافراد تلاش کر کر کے سلام کرتے اس لئے کہ ان حضرات کو معلوم تھا کہ صرف "**السلام علیکم**" پر دس نیکی ملتی ہے اور اس طریقہ سے بغیر سرمایہ و پونجی لگائے لاکھوں کا نفع حاصل کر کے فائز المرام واپس ہوتے۔

خالی مکان میں بھی سلام کر کے جانا چاہئے:

اور ہمارا یہ حال ہے کہ گھر میں مسلمان والدین، بھائی، بہن، بیوی، بچے موجود ہیں، بغیر کسی محنت کے ہم ثواب حاصل کر سکتے ہیں اس کے باوجود اتنی بڑی نعمت سے ہم محروم ہیں۔

بہر حال اپنا گھر ہو یا کسی غیر کا سلام ہر ایک کے لئے باعث برکت ہے، مذکورہ بالا آیت کریمہ میں خداوند قدوس نے اسی ادب کو بیان فرمایا ہے۔

اور اگر گھر بالکل خالی ہو کوئی شخص اس میں نہ ہو پھر بھی سلام کر کے داخل ہونا چاہئے، اس وقت کے الفاظ سلام یہ ہیں: "**اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ**

الصَّالِحِينَ" (مؤطا امام مالک مع تنویر الحوالک ۱۳۴/۳؛ جامع السلام)۔

دوسروں کے گھر میں جانے کا نبوی طریقہ:

دوسروں کے گھر میں جانے کے لئے سلام کے ساتھ اجازت بھی شرط ہے، چنانچہ ایک روایت ہے جس کے راوی حضرت کلدہ بن حنبلؓ ہیں وہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت صفوان بن امیہؓ نے کچھ دودھ یا کھیس اور ککڑی دیکر ان کو بالائے مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، حضرت کلدہ بن حنبل کہتے ہیں کہ میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلا گیا مگر نہ سلام کیا اور نہ اجازت لی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باہر جاؤ اور اس طرح کہو "السلام علیکم" کیا اندر آجاؤں؟ (مشکوۃ شریف ۴۰۱/۲)۔

"عَنْ كُلْدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ بَعَثَ بِلَبَنٍ أَوْ جِدَايَةٍ وَضَغَابِيسَ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِأَعْلَى الْوَادِي قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ أُسَلِّمْ وَلَمْ أَسْتَأْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِرْجِعْ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَأَدْخُلُ" (رواہ الترمذی وابوداؤد، مشکوۃ ۴۰۱/۲، درر فرائد ۹/۴)۔

یہ تھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم چنانچہ حضرات صحابہ کرامؓ نے اس پر عمل کر کے دکھلا دیا۔

اجازت نہ ملنے پر واپسی کا حکم:

"عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أَتَانَا أَبُو مُوسَى قَالَ إِنَّ عُمَرَ أَرْسَلَ

إِلَـيَّ أَنْ آتِيَـهِ فَـأَتَيْـتُ بَـابَهُ فَسَلَّمْتُ سَلاَمًا فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَا مَـنَـعَكَ أَنْ تَـأْتِينَا فَقُلْتُ إِنِّيْ أَتَيْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰى بَابِكَ ثَلاثًا فَلَمْ تَرُدُّوا عَـلَـيَّ فَرَجَعْتُ وَقَدْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلاثًا فَلَمْ يُـؤْذَنْ لَـهُ فَـلْيَـرْجِـعْ فَـقَـالَ عُـمَرُ أَقِمْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ قَالَ أَبُوْسَعِيْدٍ فَقُمْتُ مَعَهُ فَذَهَبْتُ إِلٰى عُمَرَ فَشَهِدْتُ"(متفق علیہ؛مشکوۃ ۴۰۰/۲)۔

(حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میرے پاس حضرت ابوموسیٰ تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت عمر نے پیغام بھجوایا تھا کہ میں ان کے پاس آجاؤں چنانچہ اس کے بعد میں ان کے دروازہ پر حاضر ہوا اور تین مرتبہ سلام کیا جب جواب نہیں ملا تو میں لوٹ آیا اس کے بعد حضرت عمر سے ملاقات ہوئی انہوں نے دریافت کیا کہ کس چیز نے ہمارے پاس آنے سے تم کو روکدیا میں نے کہا میں حاضر ہوا اور آپ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر تین مرتبہ سلام کیا جواب نہیں ملا تو واپس آگیا اس لئے کہ حضور پاک ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ تم میں کوئی تین مرتبہ اجازت لے اور اس کو اجازت نہ ملے (یعنی اندر سے کوئی جواب نہ آئے) تو اس کو چاہئے کہ لوٹ جائے اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ (جو بات تم پیش کررہے ہو) اس پر بینہ لاؤ، ابوسعید (خدری) فرماتے ہیں کہ میں ابوموسیٰ کے ساتھ کھڑا ہوا اور حضرت عمر کے پاس جاکر شہادت دی) (بخاری ومسلم)۔

طلباء کے لئے لمحۂ فکریہ:

آج اس مسئلہ میں بھی انتہائی غفلت برتی جارہی ہے، یہ حکم جس طرح اس مکان کا ہے جس میں اہل وعیال ہوں اسی طرح اس مکان کا بھی یہی حکم ہے جس میں تنہا شیخ، یا کوئی استاذ، یا کوئی اور رہتا ہو، لیکن عوام تو عوام ہمارے مدارس کے طلباء عزیز کا بھی آج کل عجیب حال ہوگیا ہے کہ بلا اجازت وسلام اکثر اساتذہ کے کمرہ میں داخل ہوجاتے ہیں، اور اگر سلام کرلیا تو اجازت نہ لینے کے مرض میں اکثر مبتلا ہیں، غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک صحابی تین مرتبہ سلام کرتے ہیں، سلام کا جواب نہ ملنے پر واپس ہوجاتے ہیں اور دوسرے صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں بغیر سلام کیے حاضر ہوتے ہیں تو واپس کردیئے جاتے ہیں لیکن ان کو کوئی ناگواری نہیں ہوتی۔

اور آج اگر تادیباً کسی کو واپس کردیا جاتا ہے تو فوراً خفگی کے آثار چہرے پر نمایاں ہوجاتے ہیں، اور اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اندر آنے کی اجازت لینے والے پہلے سلام کریں:

”لَا يُؤْذَنُ لِلْمُسْتَأْذِنِ حَتّٰى يَبْدَأَ بِالسَّلَامِ لِلْأَوْسَطِ “(جمع الفوائد ۴/۱۷)۔

(اندر آنے کی اجازت لینے والے کو اس وقت تک اجازت نہ دی جائے جب تک کہ وہ پہلے سلام نہ کرے)۔

اسی طرح بیہقی نے حضرت جابرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جو مضمون بالا کی

مؤید ہے۔"لَا تَأْذَنُوا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ" جوابتداء بالسلام نہ کرے اس کو اجازت نہ دو (مشکوۃ شریف ۲/۴۰۱)۔

اللھم وفقنا اتباع سنۃ نبیک واجتناب سنۃ غیرک۔

آیت نمبر (۳):

"تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ" (سورہ احزاب)۔

(ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ خود ان سے ارشاد فرمائیں گے) "السلام علیکم" (کہ اولاً خود سلام ہی علامت اعزاز کی ہے، پھر جبکہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو)۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو سلام کرنا:

اس آیت کریمہ میں بھی تحیہ اور سلام دونوں کا تذکرہ ہے جو کہ موضوع سخن ہے، مؤمنین کے ساتھ خداوند قدوس کا اعزاز دو قسم کا ہوگا ایک روحانی دوسرے جسمانی روحانی اعزاز وانعام کو خداوند قدوس نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ یوم لقاء (ملاقات کے دن) خود خداوند قدوس مؤمنین کو سلام کریں گے۔

یوم لقاء کی وضاحت:

ایک بات یہاں پر خاص طور سے قابل تشریح ہے کہ یوم لقاء سے کیا مراد ہے

حضرات مفسرین کے تین اقوال اس سلسلہ میں ملتے ہیں:

(۱) امام راغب وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد روز قیامت ہے۔

(۲) دیگر بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد جنت میں داخلہ کا وقت ہے۔

(۳) اور بعض ائمہ تفسیر کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد موت کا دن ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے اسی آخری قول کی تائید ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ ملک الموت جب کسی مؤمن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو اول اس کو یہ پیام پہنچاتا ہے کہ تیرے رب نے تجھے سلام کہا ہے، اگرچہ لفظ لقاء تینوں کو شامل ہے اور تینوں حالتوں میں اس کا احتمال اور امکان ہے (روح المعانی؛ معارف القرآن ۷/۱۷۵)۔

بہرحال مؤمنین کے لئے یہ مقام کتنی مسرت کا ہے کہ خداوند قدوس خود "السلام علیکم" کہیں گے، کاش ہم بھی اپنی اپنی ملاقات میں اس کا خیال واہتمام کریں۔

آیت کریمہ سے دو مسئلے معلوم ہوئے:

اس آیت کریمہ سے دو باتیں بطور مسئلہ کے ثابت ہوئیں:

(۱) مسلمانوں کا باہمی تحیہ السلام علیکم ہونا چاہیے خواہ بڑے کی طرف سے

چھوٹے کے لئے ہو یا چھوٹے کی طرف سے بڑے کے لئے ہو۔

(۲) جب کہیں جہاں کہیں جس سے بھی ملاقات ہو خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اس کو سلام کرنا چاہئے اور حتی الامکان سلام کو پھیلانے کی کوشش کرنی چاہئے، اس لئے کہ:

”عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلسَّلَامُ اِسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَهُ فِي الْأَرْضِ فَأَفْشُوْهُ بَيْنَكُمْ فَإِنَّ الرَّجُلَ الْمُسْلِمَ إِذَا مَرَّ بِقَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَرَدُّوْا عَلَيْهِ كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَضْلُ دَرَجَةٍ بِتَذْكِيْرِهٖ إِيَّاهُمُ السَّلَامَ فَإِنْ لَّمْ يَرُدُّوْا عَلَيْهِ رُدَّ عَلَيْهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُمْ“

سلام کو پھیلانے کی کوشش کرنی چاہئے:

(حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کو اس نے زمین میں اتارا ہے لہذا اس کو آپس میں خوب پھیلاؤ کیونکہ مسلمان جب کسی قوم پر گذرے گا اور ان کو سلام کرے گا اور وہ اس کو جواب دیں گے تو اس کو ان پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہوگی کیونکہ سلام کرنے والے نے ان کو سلام یاد دلایا اور اگر وہ جواب نہ دیں گے تو وہ (خداوند قدوس) سلام کا جواب دے گا جو ان سے بہتر اور برتر ہے)۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر آدمی کو چاہئے کہ سلام کرنے میں پیش قدمی سے کام لے، دوسرے سے پہلے خود سلام کرنے کی کوشش کرے اس سے

نفس سلام کے علاوہ تذکیر بالسلام کا بھی ثواب ملتا ہے۔

مگر افسوس کہ آج ہم دوسروں کے سلام کے منتظر رہتے ہیں، اور اپنی بڑائی اسی میں سمجھتے ہیں کہ دوسرا ہمیں سلام کرے اس سے جہاں کبر جیسے ام الامراض کے شکار ہوتے ہیں وہیں تذکیر بالسلام سے بھی محروم رہتے ہیں۔

سلام میں ابتداء کرنے والا کبر سے بری ہوتا ہے:

"عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال البادیٔ بالسلام بریٔ من الکبر" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ ۲/۴۰۰)۔

(حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا سلام میں پہل کرنے والا کبر (بڑائی) سے بری ہوتا ہے) (بیہقی)۔

نیز مذکورہ بالا روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص سلام کا جواب نہ دے تو اس کا جواب خداوند قدوس خود مرحمت فرماتے ہیں، لیکن آج ہمارا مزاج یہ بن چکا ہے کہ اگر ہمارے سلام کا کوئی جواب نہ دے تو اس پر خفا ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض مرتبہ سخت سست بھی کہہ دیتے ہیں حالانکہ خوش ہونا چاہئے کہ چلو اس نے اگر جواب نہیں دیا تو کیا ہوا۔ اس کے جواب سے اچھا جواب ہم کو ملے گا، جو ہر اعتبار سے اعلی وافضل ہے۔

آیت نمبر (۴):

"سلام قولا من رب رحیم" (سورہ یسین)۔

(ان کو پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا) (بیان القرآن)۔

اس آیت کریمہ میں بھی لفظ سلام ہے جس سے مراد وہی سلام ہے جو آپس میں ایک مسلمان دوسرے کو کرتا ہے۔

اللہ پاک کی طرف سے بندوں کو سلام:

چنانچہ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ" جنتیوں کو خداوند قدوس جہاں اور نعمتوں سے نوازیں گے، "وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَشْتَهُونَ" کے تحت اور جہاں تمام من پسند چیزیں عطا فرمائیں گے، وہاں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی چیز سلام ہوگی کہ خود خداوند قدوس ان مؤمنین کو جو جنت میں داخل ہو جائیں گے سلام کریں گے، کتنی مسرت کی بات ہے، اس سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔

حضرت جابر کی روایت سے اس کی تائید:

ابن ماجہ اور دار قطنی کی ایک اور روایت ہے جس سے آیت مذکورہ بالا کی مزید توضیح ہوتی ہے:

"عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَمَا أَهْلُ الْجَنَّةِ فِي نَعِيمِهِمْ إِذْ سَطَعَ عَلَيْهِمْ نُورٌ فَرَفَعُوا رُؤُوسَهُمْ فَإِذَا الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ قَدْ أَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ وَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ

رَّبٍّ رَحِیْمٍ فقَالَ فَینظُرُ إِلَیْھِمْ وَینظُرُونَ إِلَیْہِ فَلَا یلتفتُونَ إِلٰی شَئِیٍ مِنَ النَّعِیْمِ مَا دَامُوْا یَنظُرُوْنَ إِلَیْہِ حَتّٰی یَحْجُبَ عَنْھُمْ وَیَبْقٰی نُوْرُہٗ وَبَرَکَتُہٗ فِیْ دِیَارِھِمْ الحدیث" (أخرجہ ابن ماجہ وابن ابی الدنیا والدارقطنی مظہری ۹۳/۸)۔

(حضرت جابرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسی درمیان کہ جنت والے اپنی اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے اچانک ان لوگوں پر ایک نور چمکے گا پس وہ لوگ اپنے سروں کو اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کے اوپر سے خداوند قدوس جھانک رہے ہیں جب جنتیوں کی توجہ خداوند قدوس کی طرف ہوگی تو اللہ تعالی جنتیوں کو مخاطب کر کے سلام کریں گے "السلام علیکم یا أھل الجنة" اے جنت والو سلام ہو تم پر، اسی کو خداوند قدوس نے سلام قولا من رب رحیم سے بیان کیا ہے حضور فرماتے ہیں کہ اس کے بعد یہ حال ہوگا کہ جنت والوں کو خدا دیکھ رہے ہوں گے اور جنت والے خدا کو دیکھ رہے ہوں گے جنت کی نعمتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوگی جب تک جنتی رویت باری میں مشغول ہوں گے یہاں تک کہ جنتیوں سے ساری چیزیں مستور ہو جائیں گی اور خداوند قدوس کا نور اور اس کی برکت باقی رہے گی (ابن ماجہ ودارقطنی)۔

آیت نمبر (۵):

فرشتوں کی طرف سے جنتیوں کو سلام:

"وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم" (سورہ زمر)۔

(اور وہاں کے محافظ (فرشتے) ان سے (بطور اکرام وثنا کے) کہیں گے السلام علیکم تم مزہ میں رہو) (بیان القرآن)۔

اوپر والی آیت میں خداوند قدوس کی طرف سے سلام کا تذکرہ تھا اور اس آیت کریمہ میں دوسرے فرشتوں کے اعزاز کا تذکرہ ہے۔

حدیث قتادہ سے فرشتوں کے سلام کی تائید:

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب مؤمنین کو جہنم سے نجات کا پروانہ مل جائے گا خواہ ابتداء ہو یا سزا بھگتنے کے بعد تو ان سب کو ایک پل پر روک دیا جائے گا جو جنت اور جہنم کے بیچ میں ہے اس پر ہر ایک اپنی اپنی کہانی ایک دوسرے کو سنائیں گے، جب ہر ایک جی بھر کر سنالیں گے اور ایک دوسرے سے بدلہ چکالیں گے تو ہر ایک کا دل ہر قسم کی خلش وکدورت سے پاک وصاف ہو جائے گا، اسی کو خداوند قدوس نے اپنے کلام پاک میں بیان کیا ہے "وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ" اس کے بعد یہ سب جنت میں داخل کئے جائیں گے اس طور پر کہ ان کے اکرام میں جنت کے دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے جیسا کہ "مُفَتَّحَةً لَهُمُ الْأَبْوَابَ" سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے اور داروغۂ جنت اور اس کے دیگر اصحاب استقبال کے لئے تیار کھڑے ہوں گے جب یہ جنتی سب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو داروغۂ جنت ودیگر اصحاب جنت میں داخل ہونے والوں کو سلام کریں گے اور یہ وہی سلام ہوگا جو ہم ایک دوسرے کو اس دنیا میں کرتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ

جب کوئی معزز مہمان ہمارے پاس آتا ہے تو اس کے لئے ہم پہلے ہی سے دروازہ کھول کر تیار رہتے ہیں جب وہ آتا ہے تو سلام کرتے ہیں اس کے بعد اندر بیٹھاتے ہیں۔

جنتیوں کا دل ایک دوسرے سے صاف ہوگا:

بہر حال اس روایت سے جہاں سلام کی فضیلت معلوم ہوئی وہیں یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جنت میں جتنے مؤمنین داخل ہوں گے ان میں سے ہر ایک کا دل ایک دوسرے سے صاف ہوگا اور جنت میں سارے حالات کو نسیاً منسیاً کر کے داخل ہوں گے اور یہ صفائی کس طرح حاصل ہوگی وہ بھی حضرت قتادہؒ کی تفسیر سے معلوم ہوگئی۔

جنتیوں کا دل کس طرح صاف ہوگا:

لیکن ایک دوسری روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سننے اور سنانے کی نوبت نہیں آئے گی بلکہ دوسرے طریقے سے خداوند قدوس دل کو صاف کر دیں گے، فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت کے پاس پہنچیں گے تو جنت کے دروازے پر ایک درخت پائیں گے اور وہ درخت ایسا ہوگا کہ اس کی جڑ سے دو نہریں نکلی ہوں گی ان میں سے ایک میں غسل کرنے کی وجہ سے ان کا ظاہر صاف وستھرا ہو جائے گا اور دوسرے میں غسل کرنے کی وجہ سے ان کا باطن صاف وستھرا ہو جائے گا اس کے بعد جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتوں سے جنت کے دروازے پر ملاقات ہوگی وہ کہیں گے ”سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ“ (تفسیر مظہری ۸/۲۳۶)۔

آیت نمبر (۶):

فرشتوں کا حضرت ابراہیم کو سلام کرنا:

”قَالُوْا سَلامًا قَالَ سَلامٌ“ (سورہ ہود)۔

(انہوں (فرشتوں) نے سلام کیا ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی سلام کیا) (بیان القرآن)۔

قوم لوط جب اپنی بداعمالیوں میں حد سے بڑھ گئی تو خداوند قدوس نے فرشتوں کو عذاب دینے کے لئے بھیجا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی آ کر ملے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو فرشتوں نے سلام کیا اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کیا۔

اس آیت کریمہ کے تحت امام قرطبی نے اپنی بے نظیر تفسیر الجامع لاحکام القرآن کی نویں جلد صفحہ ۶۳ پر مبسوط کلام کیا ہے اور چودہ مسائل بیان کئے ہیں جو قابل مطالعہ ہیں۔

ملاقات کے وقت سلام کا ثبوت:

بہرحال اس آیت کریمہ سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ ملاقات کے وقت سلام کرنا چاہئے، یہ بات تو تقریباً ہر قوم میں ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لئے کچھ کلمات بولتے ہیں لیکن اسلام میں جو کلمہ ایسے موقع کے لئے

تجویز ہے اس کی نظیر نہیں، اس لئے کہ اسلامی کلمہ اپنے اندر ایک خاص قسم کی جامعیت رکھتا ہے اور بہت سے معانی اس ایک جملے میں موجود ہیں، جس کی تفصیل آیت (۱) کے تحت گذر چکی ہے۔

غرضیکہ اس آیت کریمہ سے سلام کے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا کیا مقام ہے، فرشتے بھی ملاقات کے وقت اسی جملے کو استعمال کر رہے ہیں اور ایک نبی کی زبان سے بھی جواب میں وہی جملہ نکل رہا ہے۔

سلام کی ابتداء:

ترمذی شریف کی ایک روایت ہے جس سے اس جملے کا پس منظر اور اس کی ابتداء کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت جابرؓ راوی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تبارک وتعالی نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور ان میں روح ڈالی تو حضرت آدمؑ کو چھینک آئی تو الحمد للہ کہا اور حسب توفیق ایزدی خداوند قدوس کی تعریف کی تو خداوند قدوس نے اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہا۔

حضرت آدم کا فرشتوں کو سلام کرنا:

اور فرمایا اے آدم (علیہ السلام) فرشتوں کی اس جماعت کی طرف جاؤ جو بیٹھی ہوئی ہے اور ''السلام علیکم'' کہو چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام ان کے پاس گئے اور ''السلام علیکم'' کہا تو ان فرشتوں نے اس کے جواب میں ''علیک

السلام ورحمۃ اللہ“ کہااس کے بعد حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تبارک وتعالی کے پاس واپس آئے تو خداوندس قدوس نے فرمایا یہ تمہارا اور تمہارے بیٹوں کا سلام ہے الحدیث (راوہ الترمذی کذافی المشکوۃ ۴۰۰/۲)۔

یہ چند آیات جن میں سلام کا تذکرہ ہے اور جن سے سلام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نذر قارئین ہیں۔اس کے بعداب وہ چند روایات جن میں سلام کے مقام کو حضور پاک ﷺ نے نمایاں کیا ہے اور سلام کی ترغیب دی ہے اوراس کی تاکید فرمائی ہے وہ ذکر کی جاتی ہیں۔

سلام اور تاکیدی روایتیں

حدیث نمبر (۱):

سلام سے محبت پیدا ہوتی ہے:

"عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوا وَلَا أَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ" (رواہ مسلم ۱/۵۴، مشکوۃ شریف ۲/۳۹۷)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ جنت میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک ایمان نہ قبول کرو اور تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک آپس میں محبت پیدا نہ کرو کیا تم کو میں ایک ایسی چیز کی طرف رہنمائی نہ کروں کہ جب تم اس کو کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے، آپس میں سلام کو پھیلاؤ عام کرو) (معارف القرآن ۲/۵۰۲)۔

بگاڑ کی وجہ:

آج مسلمانوں میں کس قدر تشتت ہے محتاج بیان نہیں، جہاں دیکھئے بگاڑ ہی

بگاڑ نظر آئے گا، بھائی بھائی میں بگاڑ، میاں بیوی میں بگاڑ، باپ بیٹے میں بگاڑ، استاذ شاگرد میں بگاڑ، معلم معلم میں بگاڑ، اس بگاڑ کی بنیاد پر اگر غور کریں تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ دلوں سے ایک دوسرے کی محبت نکل چکی ہے اس لئے کہ جب محبت و تعلق ہوگا تو بگاڑ پیدا ہی نہیں ہوسکتا، اگر وقتی طور پر پیدا ہی ہوا تو دل فوراً اجڑ جائے گا اور جب تعلق محبت بالکل ختم ہوجاتی ہے تو اکثر بغض وعداوت اپنی جگہ بنالیتی ہے اس بگاڑ کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے مذکورہ بالا روایت میں حضور پاک ﷺ نے ایک عجیب وغریب طریقہ بیان کیا کہ جب بھی ملاقات ہو سلام کرو، کاش ہم اس طریقہ کو اپنا لیتے تو انشاء اللہ سارا اختلاف و بگاڑ ختم ہوجاتا اور محبت پیدا ہوجاتی۔

حدیث نمبر (۲):

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں:

"عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتَّةُ خِصَالٍ یَعُوْدُهٗ إِذَا مَرِضَ وَیَشْهَدُهٗ إِذَا مَاتَ وَیُجِیْبُهٗ إِذَا دَعَاهُ وَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ إِذَا لَقِیَهٗ وَیُشَمِّتُهٗ إِذَا عَطَسَ وَیَنْصَحُ لَهٗ إِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ، لم أجده فی الصحیحین ولا فی کتاب الحمیدی ولکن ذکره صاحب الجامع بروایة النسائی" (مشکوۃ ۲/۳۹۷)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں (۱) اگر ایک مسلمان بیمار ہو تو دوسرا مسلمان اس کی عیادت کرے (۲) اور جب کوئی مسلمان مرجائے تو دوسرا مسلمان اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو (۳) اگر ایک مسلمان دعوت دے تو دوسرا مسلمان اس کی دعوت قبول کرے (۴) اور جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرے (۵) جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس کا جواب دے (۶) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی ہر حالت میں خیر خواہی کرے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب)۔

مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ:

غور کرنے کا مقام ہے کہ حضور پاک ﷺ تو ان چھ حقوق کو ہر مسلمان کے ذمہ عائد کر رہے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ان حقوق کو فراموش کئے بیٹھے ہیں، اپنے مشاغل میں اس قدر منہمک ہیں کہ اتنی فرصت نہیں ملتی کہ ہم ان حقوق کی ادائیگی کے لئے چند لمحات صرف کردیں اور اگر فرصت نکالیں گے اور کچھ وقت لگائیں گے تو صرف انھیں لوگوں کے لئے جو عزیز واقارب ہوں ہمارے بغل میں ہمارا پڑوسی پریشان ہوگا لیکن اس کی پریشانی اور اس کے غم میں شریک ہونا گوارا نہیں، آج ہمارے اندر سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ اپنا حق تو دوسروں سے وصول کرنا چاہتے ہیں اور اگر دوسرا اس حق کی ادائیگی سے قاصر ہو تو برا بھلا کہتے ہیں لیکن اس کا خیال نہیں ہوتا کہ اس دوسرے کا بھی میرے ذمہ کوئی حق ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کی بھی ادائیگی

ضروری ہے یا نہیں، حضور پاک ﷺ نے اس روایت میں جن حقوق کو بیان کیا ہے وہ کسی خاص مسلمان کے لئے نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے ہے خواہ عزیز و قریب ہو یا نہ ہو، پڑوسی ہو یا نہ ہو، ہم وطن ہو یا نہ ہو، ہم مسلک وہم مشرب ہو یا نہ ہو ہم کتاب وہم درس ہو یا نہ ہو۔

پہلا حق عیادت ہے:

(۱) پہلا حق حضور ﷺ نے یہ بیان کیا کہ جب کوئی مسلمان مریض بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، حدیث پاک میں عیادت مریض کی بہت فضیلت آئی ہے اس جگہ صرف دو روایتیں ذکر کی جاتی ہیں، عمل کرنے والوں کے لئے یہی دو بہت ہیں:

(۱) ”عَنْ ثَوْبَانَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خِرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا خِرْفَةُالْجَنَّةِ؟ قَالَ جَنَاهَا“ (رواہ مسلم ریاض الصالحین/۳۵۵)۔

عیادت مریض کی فضیلت:

(حضرت ثوبانؓ حضور پاک ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو جب تک وہ واپس نہیں آتا، اس وقت تک جنت کے میوے چننے میں مصروف رہتا ہے)۔

(۲)"عن علیؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من مسلم یعود مسلماً غدوة إلا صلی علیه سبعون ألف ملک حتی یمسی وإن عاده عشیة إلا صلی علیه سبعون ألف ملک حتی یصبح وکان له خریف فی الجنة" (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن، الخریف الثمر المخذوف أی المجتبی، ریاض الصالحین/۳۵۶، مشکوۃ شریف ۱۳۵/۱)۔

عیادت کرنے والے کے لئے ستر ہزار فرشتے دعاء مغفرت کرتے ہیں:

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی مسلمان اگر کسی مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس عیادت کرنے والے کے لئے دعائے مغفرت میں لگ جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ شام میں داخل ہوجاتا ہے یعنی شام تک فرشتوں کا یہی عمل رہتا ہے اور اگر کسی مسلمان نے کسی مسلمان کی شام کے وقت عیادت کی تو ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ صبح میں داخل ہوجاتا ہے یعنی صبح تک فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں، مزید برآں عیادت کرنے والوں کے لئے جنت میں چنے ہوئے میوے ہوں گے)۔

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اس فضیلت کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کے قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲) دوسرا حق حضور ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ جب کوئی مسلمان مرجائے تو اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو۔

اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ جب موت کا وقت قریب ہو اور نزع کی کیفیت طاری ہو اسی وقت پہنچ جائے اور اس کے قریب بیٹھ کر شیطانی اغوا سے حفاظت اور ایمان کے ساتھ خاتمہ کی دعاء کرے اس لئے کہ اس وقت جو بھی دعاء کی جاتی ہے اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں، اسی وجہ سے حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ قریب المرگ کے پاس بیٹھ کر اچھی اور بھلی بات جو اس کے حق میں مفید ہو وہی کہنی چاہئے، جیسا کہ مسلم شریف میں ایک حدیث ہے:

میت کے پاس بیٹھنے والوں کی باتوں پر فرشتے آمین کہتے ہیں:

”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ أَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤْمِنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ“ الحدیث (ریاض الصالحین/۳۶۱)۔

(ام سلمہ ؓ سے مروی ہے کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم مریض یا میت کے پاس جاؤ تو وہاں اچھی اور بھلی باتیں کیا کرو اس لئے کہ فرشتے تمہاری باتوں پر آمین کہتے ہیں)۔

غرضیکہ اولیٰ یہی ہے کہ جب موت کا وقت قریب ہو تو پہنچ جائے لیکن اگر اس

وقت نہ پہنچ سکے تو جنازہ کی نماز میں تو ضرور ہی شرکت کرنی چاہئے، اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے، اس لئے کہ اس میں اپنا بھی فائدہ ہے اور میت کا بھی، اپنا فائدہ تو یہ ہے کہ احد پہاڑ کے برابر ثواب ملتا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے:

نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا اجر دو قیراط ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهُ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلَ أُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ" (متفق علیہ؛ مشکوۃ ۱۴۴/۱)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ جنازہ کے ساتھ چلے اور اسی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ پڑھے اور دفن سے فارغ ہو جائے تو وہ دو قیراط اجر لے کر لوٹتا ہے اور ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے، اور جس نے نماز جنازہ ادا کی اور تدفین سے پہلے لوٹ آیا (مٹی نہیں دی) تو وہ ایک قیراط اجر کے ساتھ لوٹتا ہے) (مشکوۃ)۔

احتساب کا مطلب:

اس روایت میں ایک لفظ آیا ہے (احتساباً) اس کا مطلب یہ ہے کہ مقصود صرف تحصیل ثواب ہو ریا و دکھلاوا نام و نمود یا کسی کے دل کو خوش کرنے کے لئے نہ ہو

جیسا کہ ابن ملک کی رائے ہے، ''واحتساباً أی طلباً للثواب لا الریاء وتطییب قلب أحد'' لیکن ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے تعمیم کردی ہے اور لکھا ہے کہ اگر تطییب خاطر (کسی مومن کا دل خوش کرنے) کے لئے ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ثواب کا مستحق ہوگا (مرقاۃ ۳۵۳/۲)۔

اب تک اس فائدہ کا بیان تھا جو شرکت کرنے والوں کو حاصل ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ میت کا بھی فائدہ ہے وہ یہ کہ اس کے حق میں ان لوگوں کی سفارش مقبول ہوتی ہے، چنانچہ ایک روایت ہے:

جنازہ میں ایک سو کی شرکت باعث مغفرت ہے:

''عَنْ عَائِشَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ إِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ'' (رواہ مسلم، مشکوۃ شریف ۱۴۵/۱)۔

(حضرت عائشہؓ حضور پاک ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جس میت کی نماز جنازہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت پڑھے جس کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور یہ جماعت میت کے لئے شفاعت کرے یعنی دعائے مغفرت تو اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے (یعنی میت کی مغفرت کردی جاتی ہے)۔

اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اگر چالیس آدمی بھی ہوں تو میت کے

حق میں ان لوگوں کی سفارش مقبول ہے۔

چالیس کی شرکت بھی باعث مغفرت ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا شَفعهم الله فيه" (رواہ مسلم؛ ریاض الصالحین/۲۶۶)۔

(حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پاک ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی مسلمان مرے اور اس کے جنازے کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالی میت کے حق میں ان لوگوں کی شفاعت قبول کرتا ہے)۔

اور دوسری بعض روایتوں میں اس سے بھی کم تعداد پر اس سے بڑی فضیلت کی بشارت موجود ہے جیسا کہ حضرت مالک بن جبیرہؓ کی ایک روایت ہے:

تین صفوں کا ہونا بھی باعث مغفرت ہے:

"عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلَاثَةَ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلَّا أَوْجَبَ" (الحدیث) (مشکوۃ ۱/۱۴۷)۔

(حضرت مالک ابن ہبیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی مسلمان مرتا ہے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفوں پر مشتمل جماعت نماز پڑھتی ہے تو اللہ تعالی اس میت کے لئے جنت ومغفرت واجب کردیتا ہے)۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالی اس کی مغفرت کردیتا ہے بہرحال مغفرت ہو یا جنت یہ خدا کی طرف سے بطور وعدہ وفضل کے ہے جیسا کہ ملاعلی قاریؒ نے اس کی تصریح کی ہے "ووعداً منه وفضلاً وقد جاء في رواية إلا غفر الله له" (مرقاة ۳۶۸/۲)۔

نماز جنازہ میں آخری صف میں کھڑا ہونا افضل ہے:

مسئلہ: نماز جنازہ میں آخری صف میں کھڑا ہونا افضل ہے بخلاف اور دیگر نمازوں کے کہ ان میں پہلی صف کو فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ملاعلی قاری نے ابن ملک اور کرمانی کے حوالہ سے بیان کیا ہے، "قال ابن الملک في شرح الوقاية ذكر الكرماني أن أفضل الصفوف في صلاة الجنازة آخرها وفي غيرها أولها إظهاراً للتواضع ولتكون شفاعته أدعى إلى القبول" (مرقاة ۳۶۹/۲، درمختار ۵۸۶/۱)۔

تیسرا حق دعوت قبول کرنا:

(۳) تیسرا حق حضور ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ اگر ایک مسلمان دعوت دے

تو دوسرا مسلمان اسے قبول کرے، لیکن اگر اس دعوت میں منکرات کا ارتکاب ہو مثلاً ناچ گانا باجا وغیرہ یا خود کھانا مال حرام کا ہو تو ایسی دعوت میں شرکت نہیں کرنی چاہیے بلکہ ایسی دعوت کا قبول کرنا جائز نہیں اور اگر ان منکرات سے دعوت خالی ہو اور مدعو کو کوئی عذر نہ ہو تو ایک مسلمان کے دل کو خوش کرنے کے لئے دعوت قبول کر لینی چاہیے، کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنے کے لئے کوئی مباح کام کرنے کی بہت فضیلت ہے اسی مفہوم کو کسی نے اس فارسی کے ایک جملے میں ادا کیا ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است

اور اسی کی تعبیر دوسرے انداز سے اپنے خیال کے مطابق کسی شاعر نے اس طرح کی ہے ؎

کعبہ کو ڈھانے والے وہ اور کوئی ہوں گے
ہم کفر جانتے ہیں دل توڑنا کسی کا

چوتھا حق سلام کرنا:

(۴) جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرے، خواہ اس سے واقفیت ہو یا نہ ہو، جان پہچان ہو یا نہ ہو، چنانچہ بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سب سے افضل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو عام کرو

خواہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو (معارف القرآن ۲/۵۰۲)۔

لیکن افسوس کہ آج سلام انھیں لوگوں کو کرنے کا دستور سا بن گیا ہے جن سے تعارف، ملاقات ہو جان پہچان ہو، حالانکہ سلام ہر ایک کا حق ہے خواہ ہم اس سے واقف ہوں یا نہ ہوں یہ بہت بڑا بخل ہے کہ آدمی اتنا چھوٹا حق ادا کرنے سے بھی گریز کرے اسی وجہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمی کو سب سے بڑا بخیل قرار دیا ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت ہے:

سلام میں بخل کرنے والا بخیل ترین ہے:

"أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ فِي الدُّعَاءِ وَأَبْخَلُ النَّاسِ مِنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ لِلكبير" (جمع الفوائد ۴/۱۷)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں وہ حضور کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ عاجز ترین وہ شخص ہے جو دعا مانگنے میں عاجز ہو (اللہ کریم سے بھی کچھ نہ مانگے) اور بخیل ترین وہ ہے جو سلام میں بخل کرے (کہ مسلمان بھائی کو سلامتی کی دعا بھی ناگوار ہے)۔

اور بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو اس کے منتظر رہتے ہیں کہ لوگ ہمیں سلام کریں، اور ان کے لئے پیش قدمی باعث عار اور منافی بڑائی ہے بس ساری بڑائی اسی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے کہ لوگ ان کو سلام کریں حالانکہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں ابتداء کرے چنانچہ ایک روایت ہے:

سلام میں ابتداء کرنے والا اللہ سے سب سے قریب ہے:

”عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ“ (رواہ احمد والترمذی، وابوداؤد۲/۳۹۸)۔

(مسند احمد ترمذی ابوداؤد نے حضرت ابوامامہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے نزدیک سب سے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں ابتداء کرے)۔

ملاعلی قاریؒ نے اللہ سے قریب ہونے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اللہ کی رحمت ومغفرت کے قریب ہوجاتا ہے، ”بالله أی برحمته وغفرانه“ (مرقاۃ ۴/۵۶۰)۔

تین چیزیں خالص محبت کی نشانی ہیں:

حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے تین چیزیں خالص محبت کی نشانیوں میں سے ہیں (۱) ملاقات کے وقت سلام میں پہل کرنا (۲) جو نام اس کو پسند ہو اسی نام سے بلانا (۳) اور اگر مجلس میں آجائے تو اس کو جگہ دینا (مرقاۃ ۴/۵۶۰)۔

پانچواں حق چھینک کا جواب دینا:

(۵) پانچواں حق حضور ﷺ نے یہ بیان کیا کہ جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس کا جواب دے، یہاں پر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ایک عطاس (چھینک) ہے اور ایک

تثاؤب (جمائی) ہے دونوں میں فرق ہے، چھینک رحمان کی طرف سے ہوتی ہے اور جمائی شیطان کی طرف سے۔ چھینکنے کو رحمٰن پسند کرتا ہے شیطان نہیں اور جمائی کو شیطان پسند کرتا ہے رحمٰن نہیں، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے:

چھینک اللہ کو پسند ہے جمائی شیطان کو:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَإِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللّٰهَ كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ أَنْ يَقُوْلَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَأَمَّا التَّثَاؤُبَ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاؤَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ فَإِنْ أَحَدُكُمْ إِذَا تَثَاؤَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ" (رواہ البخاری، وفی روایة لمسلم فَإِنْ أَحَدُكُمْ إِذَا قَالَ هَا ضَحِكَ الشَّيْطَانُ مِنْهُ (مشکوۃ ۲/۴۰۵)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند، لہذا تم میں سے کوئی شخص چھینکے اور اللہ کی تعریف کرے (الحمد للہ کہے) تو ہر مسلمان پر جو اس کو سنے واجب ہے کہ یرحمک اللہ کہے لیکن جمائی شیطان کی طرف سے ہے لہذا تم میں سے جب کسی کو جمائی آئے تو چاہیے کہ حتی الامکان اس کو روکے اس لئے کہ تم میں سے جب کوئی جمائی لیتا ہے (یعنی منھ پھاڑتا ہے) تو شیطان ہنستا ہے، اور مسلم شریف کی روایت میں یہ ہے کہ تم میں

سے جب کوئی شخص (جمائی) لیتے وقت) ھا (یا آہ آہ) کرتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے)(بخاری شریف)۔

چھینک کا جواب دینا واجب ہے:

غرضیکہ اگر کسی کو چھینک آئے اور الحمد للہ کہے تو دوسرے مسلمان پر واجب ہے کہ اس کا جواب دے اور یرحمک اللہ کہے، چھینک جب آئے تو دونوں ہاتھوں سے یا کپڑا منھ پر ڈال کر چھینک کی آواز کو دبائے، "**ھکذا فعل النبی ﷺ عند العطاس**" (جمع الفوائد/۲۵)۔

اگر چھینکنے والا الحمد للہ نہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا ضروری نہیں کذافی روایۃ ابی موسی (مشکوۃ ۴۰۵/۲)۔

اگر چھینکنے والا دیوار کے پیچھے ہو اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کا بھی جواب دینا چاہئے (مرقاۃ ۵۹۱/۴)۔

چھینک سے متعلق چند مسائل:

چھینکنے والے کا جواب دینا واجب علی الکفایہ ہے:

۱- چھینکنے والا اگر الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دینا واجب ہے کذافی السراجیۃ لیکن واجب علی الکفایہ ہے، لہذا اگر مجلس والوں میں سے ایک نے بھی جواب دیدیا تو سب کی طرف سے کافی ہے ورنہ سب گنہگار رہوں گے (مرقاۃ ۵۹۰/۴)۔

تین مرتبہ کے بعد جواب دینا ضروری نہیں:

۲-ایک مجلس میں تین مرتبہ تک جواب دینا واجب ہے تین مرتبہ کے بعد اگر جواب دے تو اچھا ہے اور اگر نہ دے تو کوئی حرج نہیں، کذا فی فتاوی قاضیخاں۔

چھینکنے والا اور جواب دینے والا کیا کہے؟

۳-چھینکنے والا الحمد للہ رب العالمین یا الحمد للہ علی کل حال کہے اس کے علاوہ اور کوئی جملہ نہ کہے، جواب دینے والا یرحمک اللہ کہے اس کے جواب میں چھینکنے والا یغفر اللہ لنا ولکم یا یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے اس میں اور کسی جملہ کو نہ ملائے، کذا فی المحیط۔

بوڑھی عورت کی چھینک کا جواب زور سے دیا جا سکتا ہے:

۴-اگر کوئی بوڑھی عورت چھینکے اور الحمد للہ کہے تو مرد اس کے جواب میں یرحمک اللہ زور سے کہہ سکتا ہے، اور اگر عورت جوان ہو تو مرد یرحمک اللہ دل میں کہہ لے زور سے نہ کہے، کذا فی الخلاصۃ۔

مرد کی چھینک کا جواب بوڑھی عورت زور سے دے سکتی ہے:

۵-اگر کسی مرد کو چھینک آئی اور کسی بڑھیا نے اس کے جواب میں یرحمک

اللہ کہا تو مرد کے لئے جائز ہے کہ اس کے جواب میں زور سے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے، لیکن عورت اگر جوان ہو تو مرد اس کا جواب زور سے نہ دے بلکہ آہستہ دے کذا فی الذخیرہ۔

جوان عورت کی چھینک کا جواب دینا جائز نہیں:

٦- اگر کوئی جوان خوبصورت چھینکے تو غیر محرم کے لئے زور سے اس کا جواب دینا جائز نہیں، کذا فی الغرائب، الفتاوی الہندیہ ٣٢٦/٥۔

کافر کی چھینک کا جواب:

٧- اگر کوئی کافر چھینکے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ نہ کہے بلکہ یھدیکم اللہ ویصلح بالکم کہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے دل وحال کی اصلاح فرمائے، کذا فی روایۃ ابی موسیٰ، مرقاۃ ۵۹۳/۴)۔

چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہنے کا فائدہ:

حضرت علیؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جو شخص چھینکنے کے بعد فوراً الحمد للہ کہہ لے وہ کوکھ کے درد سے محفوظ رہے گا اور اس کی داڑھ کبھی نہیں دکھے گی، "من بادر بالعطاس بالحمد عوفی من وجع الخاصرة ولم یشتک ضرسه أبداً" (جمع الفوائد ۲٦/۴)۔

چھینک کا جواب کب واجب ہے؟

ا۔ چھینک کا جواب اسی وقت واجب ہے جبکہ چھینکنے والا زور سے الحمد للہ کہے ورنہ جواب نہیں۔

۲۔ چھینک کا جواب بلند آواز سے دینا واجب ہے، تاکہ الحمد للہ کہنے والا سن لے۔

چھٹا حق ہر حال میں خیر خواہی کرنا:

(٦) چھٹا حق حضور ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی ہر حالت میں خیر خواہی کرے وہ حاضر ہو یا غائب، اسی کو حضور پاک ﷺ ایک جامع مانع جملہ میں فرماتے ہیں: "اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ" (مسلم شریف ۱/۵۴) دین نام ہے خیر خواہی کا۔ چنانچہ حضرت تمیم داری فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ دین سراپا خیر خواہی ہے تو ہم نے سوال کیا کہ کس کی خیر خواہی یا رسول اللہ (ﷺ)؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، اسلام کے پیشواؤں کی، اور عام مسلمانوں کی۔

اللہ کی خیر خواہی کا مطلب:

اللہ کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے، اس کو شرک سے بالا

وبرتر سمجھے، اس کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف سمجھے، تمام نقائص سے پاک ہونے کا یقین رکھے، اس کی اطاعت کرتا رہے، ان کاموں کا ارتکاب نہ کرے جس میں اس کی معصیت ہو، جو اس کی اطاعت کرے اس سے اپنا تعلق پیدا کرے، اور جو اس سے عداوت رکھے اس سے عداوت رکھے، اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرے، اور ان نعمتوں کا اعتراف کرے وغیرہ۔

کتاب اللہ سے خیر خواہی کا مطلب:

اور کتاب کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کی تصدیق کرے کہ یہ اللہ تعالی کا اتارا ہوا کلام ہے مخلوق کے کلام سے بالاتر ہے، اور کوئی مخلوق اس کا مثل پیش کرنے پر قادر نہیں، اس کی تعظیم کرے، کما حقہ اس کی تلاوت کرے، تلاوت میں خشوع پیدا کرے، اس کے حروف کو صحیح طریقے سے ادا کرے، اس میں جو احکامات ہیں اس کو تسلیم کرے، اس کے اندر جو علوم و مثالیں ہیں اس کو سمجھنے کی کوشش کرے، مواعظ سے عبرت حاصل کرے عجائب میں غور وفکر کرے، آیات محکم پر عمل کرے، اور متشابہات کو بلا چوں و چرا تسلیم کرے، اس میں جو علوم ہیں اس کو پھیلائے، عام تام کرے وغیرہ۔

رسول کی خیر خواہی کا مطلب:

اور رسول کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ رسالت کی تصدیق کرے، اور ان

تمام احکام کو مانے جس کو وہ لے کر آئے ہیں، اس پر ایمان لائے، رسول جن چیزوں کا حکم دے اس پر عمل کرے، اور جن چیزوں سے روکے رک جائے۔ زندگی میں اس کی مدد کرے اور اس کے مرنے کے بعد اگر کوئی اس کے لائے ہوئے احکامات کو پامال کرے تو اس کے احیاء کی کوشش کرے، اور اس کی ذات کے بارے میں کوئی نکتہ چینی کرے تو اس کا دفاع کرے، جو اپنے کو رسول سے وابستہ کرے خود کو اس سے وابستہ کرے، اور جو رسول سے عداوت رکھے خود کو اس سے منقطع کر لے، اس کے حق کی عظمت کو پہچانے، اس کی تعظیم کرے، اس کی شریعت کو پھیلائے، اس پر اگر کوئی تہمت لگائے تو اس کی تردید کرے، اس کی باتوں (حدیث) کو باادب پڑھے، بغیر علم و تحقیق کے کسی حدیث کے بارے میں کوئی بات نہ کہے، ان کے آداب سے اپنے کو آراستہ کرے، ان کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرے، اہل بیت و اصحاب و منتسبین سے محبت رکھے، ان کی تعظیم کرے، اور جو اس کی سنت میں نئی نئی باتیں پیدا کرے (جیسے بدعتی) ان سے دور رہے، اسی طرح اس کے اصحاب میں سے کسی کو اگر کوئی برا بھلا کہے اس سے بھی دوری اختیار کرے۔

اسلام کے پیشوا کی خیر خواہی کا مطلب:

اور اسلام کے پیشواؤں کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ حق بات میں ان کی اعانت، اور اطاعت کرے، اور ان کو تنبیہ کرنی ہو یا کوئی بات یاد دلانی ہو تو نرمی کے

ساتھ تنبیہ کرے، اور یاد دلائے، اور اگر کوئی کام غفلت کی وجہ سے نہ کرسکیں تو نرمی سے اس کو بتلائے، اس کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرے، لوگوں کو اس کی اطاعت کے لئے جوڑے، وغیرہ۔

عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا مطلب:

اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں کی رہنمائی کرے جو دارین کی فلاح کا ذریعہ ہو، ان کو تکلیف نہ دے، اگر کسی دینی یا دنیوی مسئلے سے ناواقف ہوں تو ان کو بتلائے، سکھلائے، اور قولاً اور فعلاً ان کا تعاون کرے، ان کی لغزشوں کو معاف کرے، کوتاہیوں پر پردہ پوشی کرے، اخلاص اور نرمی کے ساتھ اچھی باتوں کا حکم دے، بری باتوں سے روکے، ان میں جو بڑے ہوں ان کی تعظیم کرے، اور چھوٹوں کے ساتھ رحم وکرم وشفقت کا معاملہ رکھے، ان کو اچھی باتوں کی نصیحت کرتا رہے، ان کے لئے انھیں چیزوں کو پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرے، اور جن چیزوں کو اپنے لئے ناپسند کرے ان کے لئے بھی پسند نہ کرے، ان کو بے آبرو نہ کرے، ان کی جان ومال کی حفاظت کرتا رہے، وغیرہ (نووی ۵۴/۲)۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں، تو آپ نے مجھ سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کا وعدہ لیا (مسلم شریف ۵۵/۱، جمع الفوائد درر فرائد ۴۹/۲)۔

الدین النصیحہ اس حدیث پر اسلام کا دارومدار ہے:

امام نووی پہلی روایت ”الدین النصیحة“ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ”هذا حديث عظيم الشأن وعليه مدار الإسلام كما سنذكره من شرحه اهـ“ یہ عظیم الشان حدیث ہے اور اس پر مدار اسلام ہے جیسا کہ عنقریب اس کی شرح کرتے ہوئے ہم بیان کریں گے، نیز آگے چل کر لکھتے ہیں تمام روایات میں تنہا یہ روایت ہے جس پر دین اسلام کا دارومدار ہے بہر حال یہ بہت اہم بات ہے اسکی طرف خیال کرنے کی ضرورت ہے آج دوسروں کی بدخواہی کا عام مزاج بن چکا ہے، اللہ معاف فرمائے۔

ترغیبات سلام:

سب سے اچھی خصلت:

(۱) ”عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلاً سَئَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ “(متفق علیہ، ریاض الصالحین ۳۴۳/۱)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اہل اسلام کی کون سی خصلت بہتر ہے آپ نے ارشاد فرمایا کھانا کھلانا اور ہر شناسا اور غیر شناسا کو سلام کرنا)۔

سلام کو پھیلانا دخول جنت کا ذریعہ ہے:

(۲) "عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُعْبُدُوْا الرَّحْمٰنَ وَأَفْشُوْا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ تَدْخُلُوْا الْجِنَانَ" (رواہ الترمذی وصححہ ابن حبان فی صحیحہ واللفظ لہ، الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف ۴۲۵/۳)۔

(حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا رحمٰن (خداوند قدوس) کی عبادت (اطاعت) کرو اور سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ گے)۔

یعنی ایمان لانے کے بعد حق اللہ اور حق العباد دونوں کو ادا کرتے رہو۔

دخول جنت کے اسباب:

(۳) "عَنْ أَبِیْ یُوْسُفَ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ یَا أَیُّھَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ" (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح، الترغیب والترہیب ۴۲۵/۳)۔

(عبد اللہ بن سلام سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ (عام کرو) اور کھانا کھلاؤ اور رات کو

جب لوگ سورہے ہوں نماز پڑھو (یعنی تہجد) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے)۔

"تَنْجُوا بِلَا حِسَابٍ" (یعنی بلاحساب نجات مل جائے گی۔

سلام نجات کا ذریعہ ہے:

۴-حضرت براءؓ حضور ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ سلام کو عام کرو نجات پاجاؤ گے (ابن حبان، الترغیب ۲/۴۲۵)۔

دخول جنت کے ذرائع:

۵-حضرت ابوشریح نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی چیز بتلا دیجئے جو میرے لئے جنت کو ثابت کردے (یعنی اس کو کرنے کی وجہ سے میں جنت میں جاسکوں) تو فرمایا اچھی بات کہنا اور سلام کو عام کرنا اور کھانا کھلانا۔ یعنی یہ تینوں چیزیں موجب دخول جنت ہیں (رواہ الطبرانی وابن حبان فی صحیحہ وفی حدیث الحاکم وصحہ)۔

سلام غلبہ کا ذریعہ ہے:

۶-حضرت ابوالدرداءؓ حضور ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سلام کو عام کرو تاکہ تم غالب رہو یعنی تاکہ تمہارے اخلاق اور تمہارا مرتبہ اونچا رہے

(راوہ الطبرانی باسناد حسن)۔

سلام مغفرت کا ذریعہ ہے:

۷- ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) مجھ کو کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے کہ جس پر عمل کرنے کی وجہ سے میں جنت میں جاسکوں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا حسن کلام اور سلام کو عام کرنا موجبات مغفرت میں سے ہے یعنی ان دونوں پر اگر عمل رہا تو انشاء اللہ جنت میں داخل ہوجائے گا (الترغیب ۴۲۶/۳)۔

سلام کے الفاظ اور ہر ایک کا ثواب:

"عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عِشْرُوْنَ، ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ثَلَاثُوْنَ" (ترمذی شریف ۹۴/۲ باب ما ذکر فی فضل السلام)۔

(حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو السلام علیکم کہا حضور ﷺ نے فرمایا دس، پھر دوسرا شخص آیا اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو حضور ﷺ نے فرمایا بیس، پھر تیسرا شخص آیا اس نے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا تو حضورﷺ نے فرمایا تیس)(ترمذی)۔

سلام کے تین اجزاء:

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام تین اجزاء پر مشتمل ہے۔(۱) السلام علیکم (۲) ورحمۃ اللہ (۳) وبرکاتہ۔ اور ایک جزء پر دس نیکی ملتی ہے جیسا کہ آپﷺ نے خود ارشاد فرمایا لہذا اگر کوئی صرف السلام علیکم کہتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں صرف دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر وہ رحمۃ اللہ بڑھا لیتا ہے تو بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر وہ برکاتہ کا اضافہ کر لے تو تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

افسوس کہ آج اس کی طرف بہت کم لوگوں کا ذہن جاتا ہے صرف السلام علیکم پر اکتفا کرتے عوام وخواص دونوں کو دیکھا گیا ہے ذرا سی بے توجہی کی وجہ سے بیس نیکیاں چلی جاتی ہیں۔

الفاظ سلام کا منتہیٰ:

(۱)”عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ ابْنِ عَطاءَ أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، ثُمَّ زَادَ شَيْئًا مَعَ ذٰلِكَ أَيْضًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ السَّلَامَ اِنْتَهٰى إِلَى الْبَرَكَةِ“ (تنویر الحوالک شرح موطا امام

مالک ۳؍۱۳۲، ہکذا فی مؤطا محمد ر۴۷ ۲ باب رد السلام)۔

(محمد بن عمر ابن عطاءؒ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس ایک یمنی شخص آیا اور اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا (یعنی سلام کیا) اور اس کے بعد کچھ اضافہ بھی کر دیا (یعنی برکاتہ کے بعد کوئی جملہ بڑھا دیا) تو ابن عباسؓ نے فرمایا سلام وبرکاتہ پر ختم ہو گیا)۔

وبرکاتہ پر اضافہ خلاف سنت ہے:

(۲)"عَنْ یَحْییٰ بْنِ سَعِیْدٍ أَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلٰی عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ وَالْغَادِیَاتُ الرَّائِحَاتُ فَقَالَ لَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ عَلَیْکَ أَلْفًا ثُمَّ کَأَنَّہٗ کَرِہَ ذٰلِکَ" (مؤطا امام مالک مع تنویر الحوالک ۳؍۱۳۳تا ۱۳۴)۔

(یحییٰ بن سعیدؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر کو سلام کیا (بایں الفاظ السلام علیک ورحمة الله وبرکاته والغادیات الرائحات) تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں اور صبح وشام طرح طرح کے انعامات، عبداللہ بن عمر نے ان سے کہا اور تجھ پر ہزار گویا کہ اضافہ کو ابن عمرؓ نے برا سمجھا)۔

ان دونوں آثار سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام کی انتہا ''وبرکاتہ'' پر ہے اس پر کسی جملہ کا بڑھانا یہ خلاف سنت ہے۔

ایک تعارض اور اس کا دفعیہ:

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابوداؤد میں ایک روایت ہے جس کے راوی معاذ بن انس ہیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وبرکاتہ پر اضافہ کر سکتے ہیں۔اس لئے کہ حضرت معاذ بن انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے سلام کیا (بایں الفاظ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ) تو حضورﷺ نے فرمایا چالیس (یعنی چالیس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی گئیں) نیز فرمایا اسی طرح ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے (یعنی سلام کرنے والا جس قدر الفاظ بڑھاتا جائے گا اسی قدر اس کے ثواب میں اضافہ ہوتا جائے گا) (مرقاۃ ۵۶۰/۴)۔

غرضیکہ اس روایت سے "وبرکاتہ" پر اضافہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے نیز اگر کوئی اضافہ کردے تو وہ ثواب کا بھی مستحق ہوگا، اور حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر کے ارشادات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اضافہ درست نہیں سلام وبرکاتہ پر ختم ہوجاتا ہے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی کا جواب:

اس تعارض کو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہ نے اس طرح ختم کیا ہے کہ حضورﷺ کا یہ فرمان "ھکذا تکون الفضائل" یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی آدمی کہے جتنا گڑ ڈالوگے اتنا ہی زیادہ میٹھا ہوگا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ

خوب گڑ ڈالدو بلکہ اس جملہ سے متکلم گڑ کے اثر وخاصیت کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ گڑ کے اندر کسی چیز کو میٹھا بنانے کی صلاحیت ہے۔

اور ابن عمر وابن عباس کے ارشادات میں عادت محمدیہ اور عمل صحابہ کا اظہار ہے کہ حضور اور حضرات صحابہ ''وبرکاتہٗ'' سے آگے نہیں بڑھتے تھے، پس یہ بمنزلہ مذاق طبیعت کے ہے کہ سلیم الطبع کو معتدل مٹھاس مرغوب ہوتا ہے اور اس پر زیادتی ناپسند ہوتی ہے، پس اگر کسی خاص نیت سے اضافہ کیا ہے تو عجب نہیں کہ اجر بڑھ جائے ورنہ اتباع سنت خود موجب اجر ہے اور اجر بھی وہ جس کے قلیل کو کثیر پر ایسی فضیلت ہے جیسے اشرفی کو پیسوں پر'' (درفرائد ۱۲/۴)۔

تعارض کا دوسرا جواب:

دوسرا جواب یہ ہے کہ معاذ بن انس کی روایت عبداللہ بن عباسؓ وعبداللہ بن عمرؓ کے ہم پلہ نہیں، اس لئے کہ اس روایت میں ابوعبدالرحمٰن ابن میمون اور سہل ابن معاذ ہیں اور یہ دونوں ثقہ راویوں میں سے نہیں ہیں، ''قال المنذری فی إسناده أبو مرحوم عبد الرحمن بن میمون وسهل بن معاذ لا یحتج بهما اه'' (اوجز المسالک ۱۰۳/۱۵)۔

خلاصۂ کلام:

الحاصل سلام کرنے والوں کے لئے اسی طرح سلام کا جواب دینے والوں

کے لئے افضل یہی ہے کہ ''برکاتہ'' پر رک جائے مزید کسی جملہ کا اس پر اضافہ نہ کرے، اس لئے کہ حضور وصحابہ کا عمل اور ان کی عادت یہی رہی کہ ''وبرکاتہ'' پر کسی جملہ کی زیادتی نہیں کرتے تھے، جیسا کہ امام محمد علیہ الرحمہ ابن عباسؓ کے اثر کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

''قال محمد وبهذا نأخذ إذا قال السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، فليكفف فإن اتباع السنة أفضل'' (۲۴۷)۔

امام محمد کا ارشاد:

امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر (یعنی ابن عباس کے ارشاد پر کہ وبرکاتہ پر اضافہ نہ کرے) ہم لوگوں کا عمل ہے، لہذا اسلام کرنے والے کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے کے بعد رک جانا چاہئے (یعنی زیادتی سے رک جانا چاہئے) اس لئے کہ اتباع سنت افضل ہے۔

عالمگیری میں مذکور فتویٰ:

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

''والأفضل للمسلم أن يقول السلام عليكم ورحمة الله وبركاته والمجيب كذلك يرد ولا ينبغي أن يزاد على البركات شئى قال ابن عباسؓ لكل شئى منتهى ومنتهى السلام البركات كذا في المحيط'' (عالمگیری ۵/۳۲۵، الباب السابع فی السلام، الاذکار للنووی/۲۰۸، وہکذا فی الدر المختار ۵/۲۶۶، اوجز المسالک

۱۵/۱۰۱ للشیخ الکامل حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ)۔

سلام سے متعلق چند اہم باتیں:

ماقبل کی تحریر سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سلام کا منتہیٰ ’’وبرکاتہ‘‘ ہے۔

(۱) افضل یہ ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے:

اور سلام کرنیوالے کے لئے افضل یہ ہے کہ ’’السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘‘ کہے جیسا کہ ملا علی قاری نے بھی امام نووی کے حوالہ سے یہی بات لکھی ہے:’’قال النووی اعلم أن أفضل السلام أن يقول السلام عليكم ورحمة الله وبركاته‘‘۔

سلام میں جمع کی ضمیر استعمال کرے:

(۲) سلام کرنے والے کو چاہئے کہ جمع کی ضمیر استعمال کرے چاہے مسلم علیہ یعنی جن کو سلام کر رہا ہے وہ ایک ہو یا ایک سے زائد، ایسا نہ کرے کہ اگر ایک ہو تو السلام علیک کہے اور دو چار ہوں تو السلام علیکم کہے بلکہ ہر حال میں جمع کی ضمیر لائے ’’فيأتي بضمير الجمع وإن كان المسلم عليه واحداً‘‘۔

السلام علیکم کہنا چاہئے:

(۳) جن الفاظ سے سلام کی ادائیگی ہوتی ہے اس کی کم سے کم مقدار ’’السلام

علیکم'' ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص صرف السلام کہے تو سلام کرنے کا ثواب نہیں ملے گا، ثواب کی تحصیل کے لئے علیکم کا ملانا ضروری ہے، ''وأقل السلام أن تقول السلام عليكم''۔

سلام علیکم نہ کہے:

(۴) اسی طرح سلام کرنے والے کے لئے اولی یہ ہے کہ لفظ سلام کو معرف ذکر کرے یعنی السلام علیکم کہے، منکر نہ ذکر کرے یعنی سلام علیکم نہ کہے لیکن کوئی سلام علیکم کہے تو سلام کرنے کا ثواب ملے گا البتہ یہ خلاف اولی ہے، ''قال الإمام أبو الحسن الواحدى أنت فى تعريف السلام وتنكيره بالخيار قال النووى ولكن الألف واللام أولى''۔

السلام علیک کے بجائے علیکم کہے:

(۵) مسلم علیہ اگر ایک ہو تو اولی یہی ہے کہ جمع کی ضمیر لائے لیکن اگر کوئی واحد ہی کی ضمیر لائے، اور ''السلام علیک'' کہے تو سلام کرنے کا ثواب مل جائے گا، ''وإن قال السلام عليك أو سلام عليك حصل أيضاً'' (أى الثواب)۔

جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے:

(٦) جواب دینے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ ''وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته'' کہے اور علیکم سے پہلے واو لائے یعنی ''علیکم'' نہ کہے بلکہ

''وعلیکم'' کہے، ''ویقول المجیب وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته ویأتی بواو العطف فی قوله وعلیکم''۔

علیکم السلام کہنا خلاف اولیٰ ہے:

(۷) لیکن اگر واو حذف کردے اور صرف ''علیکم السلام'' کہے تو بھی ثواب ملے گا لیکن خلاف اولیٰ ہے ''فإن حذف الواو أجزأه''۔

کم از کم وعلیکم السلام کہے:

(۸) جن الفاظ سے سلام کا جواب دیا جاتا ہے اقل مقدار ''وعلیکم السلام'' ہے، ''وأما الجواب فأقله وعلیک السلام أو وعلیکم السلام''۔

صرف علیکم سے سلام کا جواب نہیں ہوگا:

(۹) اگر سلام کے جواب میں کوئی شخص صرف ''علیکم'' کہے یعنی نہ واو ملائے نہ السلام کے آخر میں اضافہ کرے تو یہ جواب نہیں کہلائے گا، لہذا نہ تو جواب سلام کے اجر کا مستحق ہوگا اور نہ وجوب ساقط ہوگا بلکہ دوبارہ اس کو جواب دینا ہوگا، اگر نہیں دیا تو گنہگار ہوگا، ''واتفقوا علی أنه لو قال فی الجواب ''علیکم'' لم یکن جواباً''۔

جواب میں صرف وعلیکم نہ کہے:

(۱۰) اور اگر کوئی آخر میں السلام کا اضافہ نہ کرے البتہ شروع میں واو بڑھا

دے اور جواب میں ''وعلیکم'' کہے تو اس کے جواب ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ جواب کی ادائیگی ہو جائے گی، دوسرا قول یہ ہے کہ جواب کی ادائیگی نہیں ہوگی، پہلے قول کے مطابق اگرچہ وجوب ذمہ سے ساقط ہو جائے گا لیکن علی وجہ المسنون نہ ہونے کی وجہ سے نقص ضرور آئے گا،''**فلو قال وعلیکم بالواو فهل یکون جواباً فیه وجهان**''(مرقاۃ ۳۶۰/۴، الفتاوی الہندیہ ۳۲۵/۵، ناقلاً عن التاتارخانیہ، ردالمحتار ۲۶۶/۵، کتاب الاذکار للنووی ۲۰۹)۔

علیک السلام یہ مردوں کا سلام ہے:

(۱۱) اور اگر کوئی شخص السلام علیکم کے بجائے ''علیک السلام'' یا بعلیک السلام'' کہے تو یہ سلام نہیں کہلائے گا، لہذا اس ترتیب سے سلام کرنے والا جواب کا مستحق نہیں، اس لئے کہ یہ مردوں کا سلام ہے زندوں کا سلام ''السلام علیکم'' ہے، جیسا کہ حضرت جابر ابن سلیمؓ کی روایت ہے کہ میں حضور پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ''علیک السلام'' کہا، حضور ﷺ نے فرمایا علیک السلام نہ کہا کرو بلکہ السلام علیکم کہا کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا علیک السلام یہ مردوں کا سلام ہے، زندوں کا سلام ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' ہے (ترمذی شریف ۹۷/۲ باب ماجاء فی کراہیۃ أن یقول علیک السلام مبتداً، وابوداؤد شریف ۳۵۱/۲ باب کراہیۃ أن یقول علیک السلام)۔

علامہ شامی کا ارشاد:

اسی روایت کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں:

”ولا يبتدئ بقوله عليک السلام ولا بعليكم السلام لما في سنن أبي داؤد والترمذي وغيرهما بالأسانيد الصحيحة عن جابر بن سليمؓ قال أتيت رسول الله ﷺ فقلت عليک السلام يا رسول الله قال لا تقل عليک السلام فإن عليک السلام تحية الموتى قال الترمذي حديث حسن صحيح.

ويؤخذ منه أنه لا يجب الرد على المبتدئ بهذه الصيغة الخ“ (شامی ۲۶۷/۵)۔

ابتداء بالسلام کی فضیلت:

(ا)”عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ“ (ابوداؤد ۳۵۰/۲ باب فی فضل من بدأ بالسلام)

(حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگوں میں اللہ سے نزدیک تر وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے) (ابوداؤد)۔

اس فضیلت کے مستحق راہ چلنے والے ہیں:

اس فضیلت کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو راستہ میں ایک دوسرے سے ملیں کیونکہ اس صورت میں سلام کرنے کے حق میں دونوں کی حیثیت برابر ہے، لہذا ان میں سے جو پہلے سلام کرے گا وہ مذکورہ بالا فضیلت کا مستحق ہوگا جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، حضرت ابوامامہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ”اَلرَّجُلانَ یَلْتَقِیَانِ أَیُّهُمَا یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ قَالَ أَوْلَاهُمَا بِاللّٰهِ هذا حدیث حسن“ (ترمذی شریف ۲/۹۴ باب ماجاء فی فضل الذی یبدأ بالسلام)۔

آنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے:

لیکن اگر کوئی شخص بیٹھا ہو اور دوسرا آدمی اس کے پاس آئے تو آنے والے پر یہ حق ہے کہ وہ سلام کرے لیکن اگر سلام کرنے میں وہ پہل کر گیا جو بیٹھا ہوا تھا تو مذکورہ بالا فضیلت کا یہ مستحق ہوگا (مظاہر حق جدید صفحہ ۴۳ جلد ۴ قسط ۲)۔

سلام میں ابتداء کبر سے براءت کی دلیل ہے:

”عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیْءٌ مِنَ الْکِبْرِ“ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، کذافی المشکوۃ ۲/۴۰۰)۔

(حضرت عبداللہ (ابن مسعود) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ

نے ارشاد فرمایا سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہے)(بیہقی)۔

گویا کہ سلام میں پہل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خداوند قدوس نے اس کو تکبر سے پاک کردیا ہے اس کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

سلام نہ کرنے والا سب سے بڑا بخیل ہے:

”عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتٰی رَجُلٌ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لِفُلَانٍ فِیْ حَائِطِیْ عِذْقٌ وَإِنَّهُ قَدْ أَذَانِیْ فَكَانَ عِذْقُهُ فَأَرْسَلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ بِعْنِیْ عِذْقَكَ قَالَ لَا قَالَ فَهَبْ لِیْ قَالَ لَا قَالَ فَبِعْنِیْهِ بِعِذْقٍ فِی الْجَنَّةِ فَقَالَ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا رَأَیْتُ الَّذِیْ هُوَ أَبْخَلُ مِنْكَ إِلَّا الَّذِیْ یَبْخَلُ بِالسَّلَامِ“ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان، مشکوۃ ۲/۴۰۰)۔

(حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے باغ میں فلاں شخص کے کھجور کا درخت ہے اور صورت حال یہ ہے کہ وہاں اس درخت کے ہونے سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے (کیونکہ وہ شخص اپنے اس درخت کی وجہ سے وقت بے وقت میرے باغ میں آتا جاتا ہے) چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو (اس شخص کے پاس) بھیجا (تا کہ اسکو بلا لائے جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا (کہ تم اپنا کھجور کا درخت میرے ہاتھ فروخت کردو، اس نے کہا میں فروخت نہیں کرتا، آپ نے فرمایا کہ (اگر اس درخت کو بیچنے میں تمہیں کوئی

عار محسوس ہوتا ہے تو) اس کو میرے نام ہبہ کردو، اس نے کہا میں ہبہ بھی نہیں کرتا، آپ نے فرمایا کہ اچھا اس درخت کو تم میرے ہاتھ کھجور کے ایسے درخت کے عوض فروخت کردو جو تمہیں جنت میں ملے، اس نے کہا میں اس طرح بھی فروخت نہیں کرتا، آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تم سے بڑا بخیل کسی شخص کو نہیں دیکھا علاوہ اس شخص کے جو سلام کرنے میں بخل کرتا ہے، یعنی سلام کے معاملہ میں کوتاہی کرنے والا شخص تم سے بھی بڑا بخیل ہے کہ وہ اتنا ذرا سا کام کر کے بھی زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنا نہیں چاہتا (بیہقی، احمد)۔

اس روایت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سب سے زیادہ بخیل وہ شخص ہے جو سلام میں بخل کرے۔

تنبیہ:

حضور کا ارشاد بطور سفارش کے تھا:

حضور پاک ﷺ کا مالک سے یہ کہنا بطور سفارش کے تھا بطور حکم کے نہیں تھا ورنہ مالک کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی، قبول کرنا ہی پڑتا۔

"كَانَ سَوْمُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِيَّاهُ شَفَاعَةً مِنْهُ لَا أَمْرًا وَإِلَّا لَوَجَبَ عَلَيْهِ قُبُوْلُهُ"۔

باغ والے کی گفتگو کی توجیہ:

تاہم مالک کا انکار مقام ادب سے ہٹ کر ہے، باوجودیکہ مسلمان تھا "قال الطیبی یشعر بأن الرجل کان مسلماً"، اسی وجہ سے شراح حدیث نے یہ توجیہ کی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مالک کٹر دیہاتی ہو، "ولعل الرجل کان من جفاۃ العرب" یا بہت زیادہ غصہ کی حالت رہی ہو جس کی وجہ سے مقام ادب ذہن سے اتر گیا ہو، "أو وقع له المقال فی کمال غضبه من الحال حتی غفل عن مقام الأدب"۔

روایت کا ماحصل:

اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر دو آدمیوں میں اختلاف ہو، کشیدگی ہو، منازعت ہو، تو بیچ میں پڑ کر مصالحت کی کوشش کرنی چاہئے، "وفی الحدیث استحباب المصالحة بین المتخاصمین" اگرچہ کامیابی حاصل نہ ہو کوشش میں ناکام ہو جائے جیسا کہ مذکورہ بالا روایت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے کوشش کی مگر دوسرا فریق راضی نہیں ہوا (مرقاۃ ۴/۵۷۱)۔

سلام نہ کرنے والا بڑا بخیل ہے:

غرضیکہ سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام میں بخل کرے اور اس کی تائید

ایک اور روایت سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں:

"أَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجَزَ فِي الدُّعَاءِ وَأَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ للكبير" (جمع الفوائد ۴/۱۷)۔

(لوگوں میں عاجز ترین شخص ہے وہ جو دعا مانگنے میں عاجز ہو (کہ اللہ کریم جس کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے پھر بھی کچھ نہ مانگے) اور لوگوں میں بخیل ترین وہ ہے جو سلام میں بخل کرے (کہ کسی مسلمان بھائی کو سلامتی کی دعا دینا اور ثواب حاصل کرنا بھی گوارہ نہ ہو)۔

حضور ﷺ کی چند نصیحتیں:

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پاک ﷺ کی دس سال خدمت کی لیکن کسی کام کے بارہ میں کبھی یہ نہیں فرمایا یہ کام کیوں کیا (اگر میں نے کرلیا اور اگر نہیں کیا تو) کیوں نہیں کیا، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے انس (رضی اللہ عنہ) میں تم کو چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان کو محفوظ کرلو (تا کہ آئندہ کام آئے:

فرشتوں کے پیار کا ذریعہ:

(۱) رات میں نمازیں خوب پڑھا کرو (آگے حضور ﷺ نے اس کا فائدہ بیان کیا) وہ فرشتے جو تمہاری حفاظت کے لئے مقرر ہیں تم سے پیار و محبت رکھیں گے۔

روزی میں برکت کا ذریعہ:

(۲) جب اپنے گھر میں داخل ہوا کرو تو سلام کرلیا کرو اس سے تمہارے اہل وعیال اور روزی میں برکت ہوگی۔

شہداء میں شمار ہونے کا ذریعہ:

(۳) اگر باوضو سونے کی عادت ڈال سکو تو اس کی بھی عادت بنالینا اس لئے کہ اگر اسی حالت میں مر گئے تو شہداء میں تمہارا شمار ہوگا۔

نیکیوں کو بڑھانے کا ذریعہ:

(۴) جب گھر سے نکلو تو جتنے لوگوں سے ملاقات ہو ان سب کو سلام کیا کرو، اس سے اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیاں بڑھادے گا۔

بڑوں کی تعظیم چھوٹوں پر شفقت کرنا:

(۵) اپنے سے بڑوں کی تعظیم کرنا اور اپنے سے چھوٹوں پر رحم کرنا، ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ رکھنا۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اے انس اگر تم نے ان باتوں کو معمول بہا بنالیا تو جنت میں ہم اور تم ان دو انگلیوں کی طرح ہوں گے، حضور ﷺ نے سبابہ (شہادت) اور

وسطی (بیچ کی انگلی) کو ملا کر دکھلایا۔ یعنی تم اور ہم اس طرح قریب ہوں گے جس طرح دونوں انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں (درۃ الناصحین/۵۸)۔

اس روایت کا چوتھا نمبر قابل غور ہے جس کی وجہ سے اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے، ویسے ہر نمبر اپنی جگہ مہتم بالشان اور عظیم الشان اور قابل اعتناء والتفات ہے۔

خداوند قدوس ہر نمبر پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

افشاء سلام کی جزا شیش محل:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک بالا خانہ ہے جس کو مختلف رنگ سے آراستہ کیا گیا ہے اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اندر سے باہر کا حصہ اور باہر سے اندر کا حصہ دکھلائی دیتا ہے (گویا کہ شیش محل ہے) اس بالا خانہ میں ایسی ایسی نعمتیں ہیں کہ ان نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے نہ ان نعمتوں کا خیال کسی مؤمن کے دل میں آیا ہے (ان اوصاف کے بیان کرنے کی وجہ سے حضرات کرام کے دلوں میں شوق پیدا ہوا فوراً سوال کیا) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بالا خانہ کن لوگوں کو نصیب ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بالا خانہ (شیش محل) ان لوگوں کو ملے گا جنھوں نے سلام کو عام کیا، مسکینوں محتاجوں کو کھانا کھلایا، ہمیشہ روزہ رکھا، سارے لوگوں کے سونے کے وقت (رات) میں اپنے کو عبادت میں مشغول رکھا۔

حضرات صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد عرض کیا یا رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے جس میں ان کاموں کے کرنے کی طاقت ہو؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں ابھی تم لوگوں کو بتلاتا ہوں کہ کون ہے جس میں ان کاموں کے کرنے کی سکت ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی وضاحت کی۔

(۱) سنو جس شخص کی ملاقات کسی مسلمان بھائی سے ہوئی اور اس کو سلام کر لیا تو ایسے شخص نے افشاء سلام کی ذمہ داری گویا کہ پوری کر دی۔

(۲) اور جس شخص نے اپنے بال بچوں کو پیٹ بھر کے کھانا کھلا دیا اس نے گویا اطعام طعام کو انجام دیا۔

(۳) اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے بھی رکھ لئے وہ صائم الدہر کی فہرست میں آ گیا۔

(۴) اور جس آدمی نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے ادا کی وہ قائم اللیل کے درجہ میں ہو گیا (درۃ الناصحین/۵۹)۔

اس روایت میں سلام کے عام کرنے والوں کے لئے کتنی بڑی فضیلت ہے کہ خداوند قدوس اس کے صلہ میں جنت میں ایک شیش محل عنایت فرمائیں گے اور اس میں رہنے والوں کو عجیب عجیب قسم کی نعمتوں سے نوازیں گے، اللھم اجعلنا منھم۔

تحریر میں بھی سلام لکھنا مسنون ہے:

جس طریقہ سے سلام زبانی پیش کیا جاتا ہے اسی طرح خط و کتابت کی ابتداء

میں بھی مکتوب الیہ کو تحریری سلام پیش کرنا مسنون ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ علاء حضرمیؓ جب حضور پاک ﷺ کو خط لکھا کرتے تھے، ''بدأ بنفسہ'' اپنے نام سے شروع کرتے تھے (مشکوۃ ۲/۳۹۹)، پھر سلام لکھتے، اس کے بعد خط کا مضمون شروع فرماتے، ''مِنَ الْعَلَاءِ الْحَضْرَمِيّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' اس روایت کے تحت ملا علی قاری شارح مشکوۃ لکھتے ہیں: ''اِقْتِدَاءً ا بِهٖ ﷺ لِأَنَّهٗ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ'' (مرقاۃ ۴/۵۶۴)۔

حضرت علاء حضرمی کا یہ طریقہ (کہ پہلے اپنا نام لکھتے پھر سلام پھر مضمون خط شروع فرماتے) حضور پاک ﷺ کی اقتداء میں تھا چونکہ آپ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

خط وکتابت میں حضور ﷺ کا معمول:

چنانچہ حضور پاک ﷺ کے بہت سے مکاتیب ایسے ملتے ہیں جن میں مذکورہ بالا طرز کو اختیار کیا گیا ہے جس سے اس امر کی تعیین ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ جس طرح ابتداء میں سلام لکھا کرتے تھے اسی طرح سلام سے پہلے اپنا نام اور اپنے نام سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کا معمول تھا اور سلام سے پہلے مرسل الیہ کا نام بھی تحریر فرماتے۔

(۱) چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کے صاحبزادہ محترم کے وصال پر جو تعزیتی خط بھیجا اس کی بھی ترتیب وہی تھی جو اوپر بیان کی گئی یعنی پہلے بسم اللہ الرحمٰن لکھا اس کے بعد مرسل یعنی اپنا نام لکھا اس کے بعد مرسل الیہ یعنی حضرت معاذؓ کا نام لکھا اس

کے بعد سلام پھر تعزیتی مضمون شروع فرمایا"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْکَ فَإِنِّیْ أَحْمَدُ إِلَيْکَ اَللّٰهُ الَّذِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ أَمَّا بَعْدُ "الحدیث (رواہ الحاکم، مرقاۃ ۵۶۴/۴)۔

(۲) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر ابن ساوی کو ان کے مسلمان ہونے کے بعد جو خط لکھا ہے اس کی بھی ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبلؓ کے خط کی ترتیب ہے، چنانچہ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الهدایہ میں اس کو نقل کیا ہے (۴۲۰/۴) "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى مُنْذِرِ بْنِ سَاوٰى سَلَامٌ عَلَيْکَ فَإِنِّیْ أَحْمَدُ اللّٰهَ إِلَيْکَ "الحدیث۔

(۳) اسی طرح ہرقل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھا اس کی بھی ترتیب وہی تھی۔ صرف سلام میں فرق تھا، ہرقل کو سلام علی من اتبع الهدی لکھا، سلام علیک تحریر نہیں فرمایا کذا فی مرقاۃ ۵۶۴/۴)۔

خط وکتابت کا نبوی طریقہ:

علامہ عینی شارح بخاری لکھتے ہیں شیخ قطب الدین فرماتے ہیں کہ مکاتیب نبوی کے دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ خط وکتابت میں سنت یہ ہے کہ اپنا نام پہلے لکھے اس کے بعد جس کے پاس بھیج رہا ہے اس کا نام لکھے یہی اکثر علماء محققین کا قول ہے۔

حماد ابن زید کہتے ہیں لوگ خطوط اسی طرح لکھا کرتے تھے فلاں ابن فلاں

کی جانب سے فلاں ابن فلاں کے نام، اُما بعد۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ بھی اسی ترتیب سے اپنے خطوط لکھا کرتے تھے۔

ابو جعفر اور نحاس فرماتے ہیں یہی صحیح ہے (عمدۃ القاری ۱/۹۹)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان روایات و مکاتیب نبوی و اقوال علماء محققین سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ خط و کتابت کا نبوی (سنت) طریقہ یہی ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے اس کے بعد اپنا نام پھر مکتوب الیہ کا نام مکتوب الیہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ مسلمان ہو یا کافر، اس کے بعد اگر مسلمان ہو تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ لکھے اور اگر کافر ہو تو السلام علی من اتبع الھدی لکھے۔ اس کے بعد جو لکھنا ہو لکھے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ کا ایک مکتوب:

استبراکاً عارف باللہ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ کا ایک مکتوب گرامی جو اپنے ایک مسترشد کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا یہ خادم نقل کرتا ہے جو مضمون ماسبق کی توضیح و تائید میں ہے۔

سوال:

احقر کی عادت عام طور پر خط لکھنے میں یہی ہے کہ اوپر اپنا نام لکھ کر نیچے مکتوب الیہ کے القاب وغیرہ لکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ طریق سنت بھی ہے مگر بڑوں کو اور

بالخصوص حضرت والا کی خدمت میں اس طرح لکھنے سے طبیعت ہمیشہ رکتی ہے آج بیساختہ اسی طرح لکھا گیا خیال آیا تو کاٹ دینے کا ارادہ ہوا پھر سمجھ میں آیا کہ حضرت والا سے دریافت ہی کرلوں کہ یہ طبیعت کا رکنا محض رسم ورواج کی بناء پر ہے اور غیر محمود ہے یا منشاء ادب ہونے کی وجہ سے ہے، امید ہے کہ حضرت والا اس پر متنبہ فرماویں گے۔

جواب:

ادب کے خیال سے محمود ہے مگر بالغیر، یعنی للادب اور سنت محمود بالذات، اور محمود بالذات کو ترجیح ہوگی محمود بالغیر پر، یہ تو اصول شرعیہ کے اعتبار سے جواب ہے، اور اس میں ایک عقلی مصلحت بھی ہے کہ اخیر میں اپنا نام لکھنے میں بعض اوقات کسی عارض سے ذہول جاتا ہے، ”وقد جرّبناه غير مرة“ (اور ہم نے بھی بارہا اس کا تجربہ کیا ہے) اور ایک طبعی مصلحت بھی ہے کہ مکتوب الیہ کو پہلے ہی سے معلوم ہو جائے اگر خط نہ پہچانتا ہو یا پہچانتا ہو مگر کسی عذر سے کاتب نے دوسرے سے لکھوایا ہو تو پہچاننے سے مضمون کے ہر جزو سے خاص اثر لیتا رہے گا، اور ابہام کی صورت میں اس میں غلطی ہوسکتی ہے پھر آخر میں نام دیکھ کر تبدیلی کی کلفت ہوگی۔

بہرحال شرعاً وعقلاً وطبعاً ہر طرح یہی طریقہ محمود ہے لیکن اگر کسی کی ان مقتضیات پر نظر نہ جاوے اور وہ اس تقدیم سے بخیال ادب بچے تو اس کو تارک سنت بھی نہ کہیں گے کیونکہ یہ سنت عادت ہے، عبادت نہیں، جس پر بالذات وعدہ اجر اور

ترک میں کراہت ہو، واللہ اعلم (وصیۃ العرفان/۳۸،۳۹،فروری ۱۹۸۲ء)۔

تحریری سلام کا جواب بھی واجب ہے:

علامہ علاء الدین حصکفی درمختار میں لکھتے ہیں زبانی سلام کا جواب جس طرح واجب ہے اسی طرح تحریری سلام کا جواب بھی واجب ہے "ویجب رد جواب كتاب التحية كرد السلام" (درمختار/۵/۲۶۶)۔

(استیقاظ) اکثر حضرات سے یہ چوک ہوجاتی ہے کہ خط پڑھتے وقت شروع سے آخر تک پڑھ جاتے ہیں اور سلام کا جواب نہیں دیتے، اس کی طرف ذہن جاتا ہی نہیں کہ مرسل نے سلام لکھا ہے اس کا بھی جواب دینا ضروری ہے، اکثر حضرات اس مسئلہ سے یا تو بے خبر ہیں یا اس کا اہتمام نہیں، اسی وجہ سے علامہ سید احمد طحطاوی نے اس پر تنبیہ کی ہے، لکھتے ہیں کہ تحریری سلام زبانی سلام کی طرح ہے لہذا اس کا بھی جواب واجب ہے لیکن اکثر لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں، "(قوله ويجب رد كتاب التحية) لأن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر مجتبى والناس عنه غافلون اه" (طحطاوی علی الدر/۴/۲۰۷)۔

علامہ شامی کی صراحت کے مطابق فوراً جواب دینا واجب ہے:

توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ جونہی خط پڑھنے والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پر پہنچے اس کا جواب دے اور علامہ ابن عابدین کی تصریح کے مطابق فوراً جواب

دیناواجب ہے۔

”ولو أتاه شخص بسلام من شخص أى فى ورقة وجب الرد فوراً“ (ردالمحتار ۵/۲۶۶)۔

یہ بھی اختیار ہے زبانی جواب دے یاتحریراً:

علامہ عبدالرؤف المناوی شارح الجامع الصغیرللسیوطی کے حوالہ سے علامہ شامی نے جواب میں یہ تعمیم کردی ہے کہ مکتوب الیہ کواختیار ہے چاہے فوراًزبانی جواب دیدے یاخط ہی پرلکھ دے اورمراسلہ کے ذریعہ جواب پہنچادے جیسا کہ اس خادم نے بعض اکابرین کودیکھا ہے کہ جس وقت وہ خط پڑھتے ہیں اسی وقت سلام کا جواب سلام کے نیچے تحریرفرمادیتے ہیں۔

”قال شارحه المناوى أى إذا كتب لک رجل بالسلام فى كتاب أو وصل إليک وجب عليک الرد باللفظ أو بالمراسلة“ (ردالمحتار)۔

”وهكذا فى الأذكار للنووى، كتب كتاباً فيه السلام عليک يا فلان أو السلام على فلان أو أرسل رسولاً وقال سلم على فلان فبلغه الكتاب أو الرسول وجب عليه أن يرد السلام وكذا ذكر الواحدى وغيره أيضاً أنه يجب على المكتوب إليه رد السلام إذا بلغه السلام اه“ (۲۱۱)۔

سلام مسنون سے مسنون سلام کی ادائیگی کا حکم:

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ابتداء مراسلہ میں لفظ ''سلام مسنون'' لکھنے کے عادی ہیں اور غالباً بے ساختہ الفاظ کے بعد یہ لفظ زیر قلم آجاتا ہوگا، لیکن یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس جملہ سے اس سلام کی ادائیگی نہیں ہوتی جس کے افشاء کے ہم مامور ہیں، اور جس کی ادائیگی پر ثواب کا ترتب ہے، نیز ''سلام مسنون'' کا استعمال نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً، البتہ رسماً درست ہے نقلاً تو اس وجہ سے نہیں کہ حضور ﷺ سے اس کا ثبوت نہیں، آپ ﷺ کے مکاتیب میں سلام علیک وغیرہ کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی، **فلیطالع ثانیاً لعنان العنایة ثانیاً**۔

اسی طرح عقلاً بھی درست نہیں ورنہ تو ہر آدمی پھر ثناء مسنون، درود مسنون، ذکر مسنون، تلاوت مسنون کی تسبیح پڑھ لیا کرے یا لکھ دیا کرے گا ثواب مل جایا کرے گا، کیا ضرورت ہے محنت کرنے کی، اس لئے کہ جس طرح سلام مسنون ہے اسی طرح درود، ثناء وغیرہ بھی مسنون ہے، لیکن یہاں پر کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ اس کہنے کی وجہ سے یا لکھنے کی وجہ سے وہ ثناء و درود شریف کے ثواب کا مستحق ہوگا پھر سلام میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سلام مسنون لکھنے کی وجہ سے سنت کی ادائیگی ہو جائے گی، نیز حدیث پاک میں تصریح ہے کہ السلام علیکم پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جس کی تفصیل گذر چکی ہے نیز عالمگیری، مرقاۃ، الاذکار للنووی کے حوالہ سے یہ بات بھی گذر چکی

ہے کہ سلام کی ادائیگی جن الفاظ سے ہوتی ہے اس کی اقل مقدار السلام علیکم ہے اسی وجہ سے اس کی بھی تصریح ہے کہ اگر کوئی شخص صرف السلام کہے تو اس کو سلام کرنے والا نہیں کہیں گے اور اس کا جواب دینا ضروری نہیں، نیز علامہ طحطاوی کے حوالہ سے ''استیقاظ'' کے تحت یہ بات بھی گذر چکی ہے، ''الکتاب کالخطاب'' تو جب خطاب کی حالت میں ''سلام مسنون'' یا صرف 'السلام' کہنے سے سلام کی ادائیگی نہیں ہوتی اور اس کا جواب ضروری نہیں ہوتا تو پھر کتابت وتحریر میں سلام مسنون یا السلام لکھنے سے سلام کی ادائیگی کیسے ہوجائے گی۔

غرضیکہ نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً لہذا اسواء رسم ورواج کے اس کو اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے، بس ایک رسم ہے اس کی تقلید آنے والی نسل کررہی ہے جب اس کا رسم ہونا ثابت ہوگیا تو اس کے لئے بلا فائدہ ہونا لازم ہے اور بلا فائدہ کام کے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں لہذا اس کی جگہ 'السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' لکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ یہی سنت ہے اور اس میں ثواب بھی ہے یہی اپنے اکابرین ومشائخ حقہ کا معمول رہا ہے۔

غائبانہ سلام:

''عَنْ غَالِبٍ قَالَ أَنَا جُلُوْسٌ بِبَابِ الْحَسَنِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ حَدَّثَنِیْ أَبِیْ عَنْ جَدِّیْ قَالَ بَعَثَنِیْ أَبِیْ إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِئْتِهٖ فَاقْرَأْهُ

السَّلَامَ فَأَتَیتُهُ فَقُلْتُ إِنَّ أَبِی یُقْرِئُکَ السَّلَام فَقَالَ عَلَیْکَ وَعَلٰی أَبِیکَ السَّلَامُ" (ابوداؤد شریف ۲/۳۵۴ باب فی الرجل یقول فلان یقرئک السلام)۔

حضرت غالبؒ کہتے ہیں (ایک دن) ہم حضرت حسن (بصریؒ) کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ مجھ سے میرے باپ نے اور ان سے ان کے باپ نے (یعنی میرے دادا نے) بیان کیا کہ مجھ کو میرے باپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے ہوئے کہا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کرو، میرے دادا نے بیان کیا کہ (اپنے باپ کے حکم پر) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے باپ نے آپ کو سلام عرض کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر) فرمایا "علیک وعلی أبیک السلام" تم پر اور تمہارے باپ پر سلامتی ہو) (ابوداؤد)۔

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

قاصد کے ذریعہ بھی سلام پہونچایا جاسکتا ہے:

۱۔ جس طرح زبانی وتحریری سلام پیش کیا جاتا ہے اسی طرح بغیر کسی رقعہ وتحریر کے کسی قاصد کے ذریعہ بھی سلام پہنچایا جاتا ہے۔

قاصد کے ذریعہ پہونچنے والے سلام کا جواب بھی ضروری ہے:

۲۔ جس طرح زبانی وتحریری سلام کا جواب دینا ضروری ہے اسی طرح اگر کسی

قاصد کے ذریعہ سلام پہنچے تو اس کا بھی جواب دینا ضروری ہے، چنانچہ علامہ نووی نے اس کی تصریح کی ہے:"فصل إذا بعث إنسان مع إنسان سلاماً فقال الرسول فلان یسلم علیک فقد قدمنا أنه یجب علیه أن یرد علی الفور .... فیقول وعلیک وعلیه السلام وروینا فی سنن أبی داؤد عن غالب القطان عن رجل قال الحدیث" (الاذکار ۲۱۲/۱)علامہ نووی کے بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فوراً جواب دینا ضروری ہے۔

جواب میں قاصد کو بھی شامل کرے:

۳۔جواب میں قاصد کو بھی شامل کرے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شامل کیا بقولہ علیک۔

قاصد کو جواب میں مقدم کرے:

۴۔ جواب میں قاصد (سلام پہنچانے والے) کو مقدم کرے اور غائب (سلام کہلوانے والے) کو مؤخر کرے، فقہا احناف میں سے امام محمدؒ نے ان جیسی روایات کے تحت تصریح کی ہے کہ مبلغ کو غائب پر جواب میں مقدم کیا جائے چنانچہ عالمگیری میں ذخیرہ کے حوالہ سے منقول ہے:

"ذکر محمدؒ فی باب الجعائل من السیر حدیثاً یدل علی أن من بلغ إنساناً سلاماً من غائب کان علیه أن یرد الجواب علی المبلغ

أولاً ثم علی ذلک الغائب، کذا فی الذخیرة"(الفتاوی الہندیہ/۳۲۶)۔

قاصد کے تقدم کی وجہ:

اورعلامہ سید احمد طحطاوی نے اس تقدیم کی وجہ بھی بیان کی ہے کہ مبلغ (سلام پہنچانے والے) نے سلام پہنچا کر جوایک احسان کیا ہے گویا کہ بزبان حال هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ إِلَّا الْاِحْسَانُ کے تحت جزاءاحسان کا مطالب ہے لہذا مجیب کوبھی چاہئے کہ ھل جز اء الاحسان إلا الاحسان کا خیال رکھتے ہوئے مطالب حاضر کا بدلہ پہلے چکا دے اس کے بعد مطالب غائب کے ایجاب کو اپنے ذمہ سے ساقط کرے۔"وکأن الأول طلب لکونه أحسن إليه بإبلاغه السلام فهل جزاء الإحسان إلا الإحسان"(حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار۴/۴۰۷)۔

سلام بھیجنے والے کا نام جواب میں شامل کرے:

۵۔جواب دینے والا سلام بھیجنے والے کا نام لے مثلاً اس طرح جواب دے علیک وعلی فلان السلام اور اگر مبلغ ومرسل کا رشتہ معلوم ہوتو نام کے بجائے اس رشتہ کو ذکر کردے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا 'علی أبیک' چونکہ مبلغ مرسل کا بیٹا تھا پس اگر کہیں مرسل مبلغ کا دادا ہوتو علی جدک کہے اگر ماں ہوتو علی اُمک کہے علی ہذا القیاس۔

لیکن نسائی شریف میں حضرت انسؓ کی ایک مرفوع روایت ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نام یا رشتہ کی وضاحت ضروری نہیں اگر مجیب علیک وعلیہ السلام کہہ دے

تو بھی کافی ہے"أو علیک وعلیہ السلام رواہ النسائی مرفوعاً"

(مرقاۃ ۵۶۴/۴)۔

اور حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہے جس میں "السلام" کے بعد ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا بھی اضافہ ہے"کذا فی مرقاۃ المفاتیح"۔

خلاصۂ کلام:

حاصل کلام یہ کہ نام کی وضاحت کردے تو کوئی حرج نہیں اور اگر وضاحت نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں، نیز اولی یہی ہے کہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا اضافہ کرلے، جیسا کہ زبانی وتحریری سلام کے جواب میں ملانا اولی ہے چونکہ، زبانی، تحریری، غائبانہ، تینوں سلام ایک درجہ میں ہیں اور تینوں کا جواب واجب ہے لہذا اولویت وعدم اولویت کا جو حکم ایک کے لئے ہوگا وہی حکم دوسرے کے لئے بھی ہوگا الا باستثناء الشارع أو الفقہاء، اگرچہ جواب کی ادائیگی صرف وعلیہ السلام سے بغیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ملائے اور اضافہ کئے ہوجائے گی، فافہم۔

حضرت سہارنپوری کی رائے:

(۱) شیخ کبیر علامۃ الدہر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ بذل المجہود فی حل ابی داؤد میں تحریر فرماتے ہیں کہ جواب دینے والے کے لئے دونوں جائز ہے مبلغ کو جواب میں شریک کرے یا نہ کرے یعنی علیک وعلیہ السلام کہے یا صرف

وعلیہ السلام پر اکتفا کر جائے (بذل ۲/۱۷۱)۔

”فالأمران جائزان سواء اقتصر على الأصل أو شرك المبلغ أيضاً في الجواب“۔

علامہ شرنبلالی کی رائے:

اور علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں کہ مبلغ کو جواب میں شریک کر لینا مستحب ہے لہذا مجیب کے لئے مستحب یہ ہے کہ ”علیک وعلیہ السلام“ کہے جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے نقل کیا ہے، ”وقال أيضاً ويستحب أن يرد على المبلغ أيضاً فيقول وعليك وعليه السلام“ (ردالمحتار ۵/۲۶۶)۔

امام نووی کی رائے:

علامہ نوویؒ بھی استحباب ہی کے قائل ہیں جیسا کہ حلیۃ الابرار وشعار الاخیار میں اس کی تصریح ہے، ”ويستحب أن يرد على المبلغ أيضاً فيقول عليك وعليه السلام“ (۲۱۲)۔

علامہ شامی وطحطاوی کی رائے:

لیکن علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اور علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ علی الدر میں وجوب کا قول نقل کیا ہے، ”وهل الرد على المبلغ واجب ظاهر

عبارة الإمام محمد نعم"(طحطاوی علی الدر المختار ۴/۲۰۷)۔

"لکن قال فی التاتارخانية ذكر محمد حديثاً يدل على أن من بلغ إنساناً سلاماً عن غائب كان عليه أن يرد الجواب على المبلغ أولا ثم على ذلك الغائب اه وظاهره الوجوب تأمل"(ردالمحتار ۵/۲۶۷)۔

حضرت ابن عباس کی رائے:

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بھی وجوب کا قول مروی ہے،"وزاد عن ابن عباس يجب"اھ(ردالمحتار/۲۶۶)۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی علامہ شامی کے رجحان کا تذکرہ بذل المجہود کے حاشیہ پر کیا ہے،"لكن ظاهر ابن عابدين وجوب التشرك عن محمد واستحبابه عن غيره اه"(بذل ۲۰/۱۷۱)۔

خلاصۂ کلام:

حاصل کلام یہ کہ جس طرح سلام بھیجنے والے کا جواب واجب ہے اسی طرح جواب میں سلام پہنچانے والے کو شریک کرنا بھی واجب ہے، فافہم۔

سلام کا پہونچانا واجب ہے:

(۲) پیغام سلام ایک امانت ہے جس کا پہنچانا واجب ہے اس لئے پیغام

لے جانے والے کو چاہئے کہ پہلے خوب سوچ لے کہ اس امانت کی ادائیگی ہوسکے گی یا نہیں، اگر یقین ہو تو قبول کرے ورنہ انکار کردے، ایسی صورت میں اگر نہ پہنچا سکا تو گناہ نہیں ہوگا، یا شروع ہی میں صاف کہہ دے کہ بھائی دیکھو وعدہ نہیں اگر موقع رہا یا یاد رہا تو پہنچادوں گا ورنہ میری کوئی ذمہ داری نہیں پھر نہ پہنچا سکا تو کوئی حرج نہیں گنہگار نہیں ہوگا۔

”وإذا أمر رجلاً أن يقرأ سلامه على فلان يجب عليه ذلك كذا في الغياثية“ (فتاوی ہندیہ ۵/۳۲۶)۔

”ولو قال الآخر اقرأ فلاناً السلام يجب عليه ذلك“ (درمختار ۵/۲۶۶)۔

”لأنه من ايصال الأمانة لمستحقها“ (طحطاوی علی الدر ۴/۲۰۷)۔

”والظاهر أن هذا إذا رضى بتحملها تامل“ (ردالمختار ۵/۲۶۶)۔

”إن الرسول إن التزمه أشبه الأمانة وإلا فوديعة أى فلا يجب عليه الذهاب لتبليغه كما في الوديعة“ (ردالمختار)۔

خط کے سلام کا حکم:

(۳) اگر کوئی شخص خط میں کسی کو سلام لکھے تو اس کا بھی پہنچانا ضروری ہے لیکن عام طور سے اس مسئلہ میں تساہل برتا جاتا ہے، یہ امر بھی قابل لحاظ ہے۔

روضۂ اقدس پر سلام پہونچانے کا حکم:

(۴) حجاج کرام جب حج کرنے تشریف لے جاتے ہیں تو اکثر حضرات حضورﷺ کو سلام کہلواتے ہیں کہ روضہ اقدس پر میری طرف سے سلام پہنچا دینا اس سلام میں بھی وہی مذکورہ بالا تفصیل ہے کہ اگر پہنچانے پر حاجی صاحب راضی ہو گئے اور التزام کرلیا تو اس کا نام لے کر سلام پہنچانا واجب ہے۔ اگر نہیں پہنچا سکے تو حاجی صاحب گنہگار ہوں گے اور اگر وعدہ نہیں کیا یا راضی نہیں ہوئے التزام نہیں کیا تو پھر نہ پہنچانے کی صورت میں گنہگار نہیں ہوں گے۔

”وتبليغه سلام من أوصاک فتقول السلام عليک يا رسول الله من فلان بن فلان الخ ذكروا أن تبليغ السلام واجب لأنه من أداء الأمانة“ اھ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۴۰۷)۔

”وهكذا فی رد المحتار ۵/۲۶۶ قال الشرنبلالی وهكذا عليه تبليغ السلام إلى حضرة النبیﷺ عن الذی أمر به“۔

اپنے بڑے کو سلام کا مکلّف بنانا بے ادبی ہے:

(۵) فائدہ: اگر کوئی شخص اپنے پیر یا استاذ یا والدین یا اپنے سے کسی بڑے کو خط لکھے تو ادب کی بات یہ ہے کہ دوسروں کا سلام اس میں نہ لکھے، سلام کی فہرست لکھ

کر بڑے کو اپنا محکوم و مامور بنانا ہے، اور اگر مکتوب الیہ چھوٹا ہو یا ہم عمر و ہم عصر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

کافروں سے خط و کتابت کا نبوی کا طریقہ:

لگے ہاتھ اس مسئلہ کو بھی صاف کر لینا ضروری ہے کہ کسی کافر کو اگر خط لکھنا ہو تو اس کو سلام لکھنا چاہیئے یا نہیں؟ اس باب میں حضور اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ "اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی" تحریر فرمایا کرتے تھے، آپ نے ہرقل کو خط لکھا تو السلام علیک کے بجائے السلام علی من اتبع الھدی تحریر فرمایا، اسی طرح جتنے کافروں کے پاس حضور ﷺ نے اپنے مکاتیب بھیجے ان سب میں سلام لکھا مگر مذکورہ بالا اسلام، السلام علیکم تحریر نہیں فرمایا، اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر کافر کو کسی ضرورت کی بنیاد پر خط لکھنا ہو تو "السلام علی من اتبع الھدی" لکھے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی نے تاتارخانیہ کے حوالہ سے امام محمدؒ کا جو فرمان نقل کیا ہے وہ بالکل صریح ہے۔

"وفی التاتارخانیة قال محمد إذا کتبت إلی یھودی أو نصرانی فی حاجة فاکتب السلام علی من اتبع الھدی اھ" (ردالمحتار ۲۶۴/۵)۔

علامہ سید احمد طحطاوی نے بھی یہی بات ہندیہ کے حوالہ سے نقل کی ہے (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ۲/۴۰۶)۔

حاصل کلام یہ کہ اگر کسی مسلمان کو کسی ضرورت کی بنیاد پر کسی کافر کے پاس خط بھیجنا ہو تو ''السلام علیکم'' نہیں لکھنا چاہئے بلکہ ''السلام علی من اتبع الھدی'' لکھنا چاہئے حضور اور اقوال فقہاء سے اسی کا ثبوت ملتا ہے و ہکذا فی الأذکار للنووی ر۲۱۷)۔

کافروں کو سلام کرنے کا مسئلہ:

(۱) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کسی کافر کو ابتداءً سلام کرے جیسا کہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب نے تصریح کی ہے ''لا یجوز البدایة بالسلام علی الکفار'' (مظہری ۲ر۳۶۵) کافروں کو سلام کرنے میں پہل کرنا جائز نہیں ہے، ہکذا فی الاذکار ر۲۱۶، اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تم راستے میں ان میں سے کسی سے ملو تو ان کو تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کرو، ابوداؤد شریف ۲ر۳۵۱ باب فی السلام علی أہل الذمۃ)۔

ملا علی قاریؒ ''الی اضیقہ'' کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر راستہ کے کنارہ دیوار ہو تو دیوار سے چپک جائے یعنی اتنا کنارے کر دیا جائے کہ اس کی تحقیر کی انتہاء ہو جائے ورنہ تم کم از کم یہ حکم دو کہ بیچ راستے سے ہٹ جائے تا کہ اس کی حیثیت نمایاں نہ رہے، آگے چل کر لکھتے ہیں کہ صحیح یہ ہیکہ کافروں کو سلام کرنے میں پہل کرنا حرام ہے، ''فالصواب تحریم ابتدائھم'' (مرقاۃ ۴ر۵۵۶)۔

اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو کیا کرے؟

(۲) لیکن اگر سلام نہ کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو یا کوئی خوف ہو تو ایسی صورت میں ضرورۃً سلام کرنے کی اجازت ہے، لیکن ''السلام علیکم'' کے بجائے ''السلام علی من اتبع الهدى'' کہے جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے، ''لكن فى الشرعية إذا سلم على أهل الذمة فليقل السلام على من اتبع الهدى'' (ردالمحتار ۲۶۴/۵)۔

اور یہی بات ملا علی قاری نے بھی قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھی ہے،

''وحكى القاضي عياض عن جماعة أنه يجوز ابتدائهم للضرورة والحاجة'' ۔لیکن ملا علی قاری کی رائے یہ ہے کہ اصلح یہی ہے کہ سلام نہ کیا جائے اور اسی کو اصح قرار دیا ہے (مرقاۃ ۵۵۶/۴)۔غرضیکہ اولی یہی ہے کہ ''السلام على من اتبع الهدى بھی نہ کہے لیکن اگر کوئی ان الفاظ سے سلام کر لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن بحر العلوم مفسر قرآن مفتی محمد صاحب تائب لکھنوی نور اللہ مرقدہ کی رائے یہ ہے کہ مغلوبی اور فتنہ کے زمانہ میں کافروں کو خصوصاً صاحب اقتدار و با اثر افراد کو سلام کرنے میں پہل نہ کرنا موجب فتنہ ہے۔اس لئے مستحسن یہ ہے کہ ان کے سلام کے لئے انہیں کے الفاظ و آداب وغیرہ اختیار کرے، بقول سعدیؒ ؎

گر آبِ چاہِ نصرانی نہ پاک است
جہود مردہ میشوی چہ باک است

(خلاصۃ التفاسیر ۴۲۰/۱)۔

خودغرضی کے سلام کا حکم:

(۳) اگر کوئی مسلمان کسی کافر حاکم کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے کر جائے تو اس وقت اس حاکم کافر کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے، ”(لأن تبجيل الكافر كفر) قال في المنح قيد به لأنه لو لـم يكن كذلک بل كان لغرض من الأغراض الصحيحة فلا بأس به ولا كفر اه“ (ردالمحتار ۲۶۵/۵)، ”قال في التاتارخانية لأن النهي عن السلام لتوقيره ولا توقير إذا كان السلام لحاجة“ اھ (ردالمحتار ۲۶۴/۵)۔

یعنی سلام کرنے میں چونکہ اس کی تعظیم ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے سے منع فرمایا اور جب سلام کسی غرض وضرورت کی وجہ سے ہو تو پھر اس کی تعظیم نہیں رہی بلکہ یہ خودغرضی کا سلام ہے لہذا اس میں کوئی حرج نہیں اور ایسا بہت ہوتا ہے اسی وجہ سے فارسی کا مقولہ ہے ؎

سلام روستائی بے غرض نیست

اور اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی سائل آئے اور سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں اس لئے کہ یہ اپنے جس غرض کو لے کر آیا ہے اس کا سلام ہے، ”ولا يجب رد سلام السائل لأنه ليس للتحية“ (تنویرالابصار ۲۶۵/۵، ہکذا فی الفتاوی الہندیہ ۳۲۵/۵، قاضیخان ۴۲۳/۳)۔

کافر کے سلام کا حکم:

(۴) اور اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو سلام کرے تو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں، مسلمان کو چاہئے کہ اس کے سلام کا جواب دیدے جیسا کہ علامہ شامی نے تاتارخانیہ کے حوالہ سے اس کی تصریح کی ہے، ''فی التاتارخانية وإذا سلم أهل الذمة ينبغي أن يرد عليهم الجواب وبه نأخذ'' (ردالمحتار ۲۶۵/۵)، لیکن جواب میں صرف ''وعلیک'' کہے جیسا کہ قاضیخان نے اس کی تصریح کی ہے، ''أما إذا ابتدأ الكافر فلا بأس بأن يرد عليه ولكن لا يزيد على قوله وعليك ا'' (۴۲۳/۳)۔ اور بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''وعلیک'' کے بجائے اگر ''ہداک اللہ'' کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔

کافر سے بلاضرورت مصافحہ کا حکم:

(۱) کسی کافر سے بلاضرورت مصافحہ کرنا مکروہ ہے، اگر کوئی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ قاضیخان نے تصریح کی ہے، ''ويكره للمسلم أن يصافح الذمي'' (۴۲۳/۳) ''أي بلا حاجة لما في القنية الخ'' (ردالمحتار ۲۶۴/۵)۔

پڑوسی کافر سے مصافحہ کا حکم:

(۲) لیکن اگر کوئی کافر کسی مسلمان کا پڑوسی ہو اور مسلمان کچھ دنوں کے لئے

کہیں غائب ہو جائے مثلاً کہیں کا سفر ہو جائے تو واپسی پر کافر پڑوسی سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ مسلمان کو معلوم ہو کہ مصافحہ نہ کرنے کی وجہ سے اس کو تکلیف ہوگی اور اگر کوئی تکلیف نہ ہو تو پھر ترک مصافحہ ہی اولی ہے اس لئے کہ اصل یہی ہے کہ ان سے مصافحہ نہ کیا جائے لیکن پڑوسی ہونے کی وجہ سے مسلمان پر اتنا حق ہوتا ہے کہ اگرچہ کافر ہی صحیح لیکن اس کا دل نہ دکھائے (ردالمحتار ۵/۲۶۴)۔

کافر کے ساتھ کھانے کا حکم:

(۳) کسی کافر کے ساتھ ایک آدھ مرتبہ کھانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن دوام مکروہ ہے (کذا فی طحطاوی علی الدر ۴/۲۰۶)۔

عیسائیوں کے سلام کا طریقہ:

(۱) دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اشارہ کرنا، یہ عیسائیوں کا طریقہ ہے ان کے یہاں اگر کسی کو سلام کرنا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر اشارہ کر دیجئے سلام کی ادائیگی ہو جائے گی، ان کا مخاطب سمجھ جاتا ہے کہ مجھے سلام کر رہا ہے۔

یہودیوں کے سلام کا طریقہ:

(۲) انگلیوں کا اشارہ، یہ یہودیوں کے سلام کا طریقہ ہے ان کے یہاں اگر کسی کو سلام کرنا ہو تو شہادت کی انگلیوں کو ملا کر اشارہ کرنا کافی ہے سلام کی ادائیگی

ہو جاتی ہے۔

یہود و نصاریٰ کا طریقہ اسلام میں ممنوع ہے:

اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے ہاتھ یا انگلی کے اشارہ کے ذریعہ سلام کرنے سے منع فرمایا ہے، ترمذی شریف کی روایت ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص ہمارے غیروں کی مشابہت اختیار کرے (یعنی دوسرے مذاہب کے لوگوں کے طریقہ پر عمل کرے) وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے طریقہ پر چلنے والوں میں سے نہیں ہے) تم نہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرو اور نہ نصاریٰ (عیسائیوں) کے ساتھ اس لئے کہ انگلیوں سے اشارہ کرنا یہودیوں کے سلام کا طریقہ ہے اور ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا نصاریٰ کے سلام کا طریقہ ہے (ترمذی ۹۴/۲ باب ما جاء فی کراہیۃ إشارۃ الید فی السلام)۔ ملا علی قاری شارح مشکوۃ لکھتے ہیں حضور ﷺ کو کشف کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ میری امت کے کچھ لوگ بے راہ روی کا شکار ہو کر وہ طریقہ اختیار کرلیں گے جو یہودیوں عیسائیوں اور دوسری غیر اقوام کا ہے، جیسے انگلیوں یا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنا، ہاتھ جوڑ لینا، کمر یا سر کو جھکانا، صرف سلام پر اکتفاء کرنا وغیرہ، اس لئے آپ ﷺ نے پوری امت کو مخاطب کرتے ہوئے اس کے بارے میں تنبیہ فرمائی اور وعید بیان کی کہ جو ہماری سنت کے خلاف اوروں کے طریقوں کو اختیار کرے گا وہ ہماری امت سے خارج ہے (بتوضیح مرقاۃ ۵۶۱/۴)۔

صرف ہاتھ سے اشارہ کرنا بدعت ضالہ ہے:

بحر العلوم حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

الف: صرف ہاتھ کے اشارہ پر اکتفاء کرنا یا اسے جزوسلام یا موجب ثواب سمجھنا مشابہت کفار اور بدعت ضالہ ہے۔

اشارہ اور سلام کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں:

ب: لفظ (یعنی السلام علیکم) اور اشارے کا جمع کر لینا جیسا کہ ہمارے بلاد میں معمول ہے (یعنی ہندوستان میں جیسا کہ عام طور پر رائج ہے) اگر چہ اولی نہ ہو مگر جائز ہے خصوصاً جبکہ یہ اشارہ عرفاً علامت تعظیم وتوقیر قرار پا چکا ہے۔

دوری کی وجہ سے سلام کے ساتھ اشارہ درست ہے:

ج: دوری یا اور کسی وجہ سے آواز سلام نہ پہنچ سکے تو ہاتھ سے اعلان واشارہ مباح ہے (بشرطیکہ زبان سے سلام کیا ہو جیسا کہ ترمذی شریف میں بروایت اسماء بنت یزید حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے (۹۴/۲)، خلاصۃ التفاسیر ۴۱۹/۱، ہکذا فی الاذکار للنووی ۲۱۰)۔

مجوسی کے سلام کا طریقہ:

(۳) صرف جھک جانا، یہ مجوسی مشرکین کا سلام ہے ان کے عرف میں جھکنے

سے سلام کی ادائیگی ہو جاتی ہے اور سلام کا طریقہ ان کے یہاں جھکنا ہی ہے۔

سلام کے وقت جھکنا ممنوع ہے:

اسی وجہ سے حضور پاک ﷺ نے سلام کرتے وقت جھکنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں بروایت انسؓ اس کی تصریح ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھک جائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا نہیں، الحدیث (ترمذی ۲/ ۹۷ باب ماجاء فی المصافحۃ)۔

مفتی فتح محمد صاحبؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے "مسئلہ" اس قدر جھکنا کہ قریب برکوع ہو جائے جائز نہیں (خلاصۃ التفاسیر ۱/ ۴۱۹)۔

عربوں کے سلام کا طریقہ:

(۴) حیاک اللہ کہنا، یہ قبل از اسلام عربوں کا سلام تھا، اگر کسی کو سلام کرنا ہوتا تو حیاک اللہ یعنی اللہ تم کو زندہ رکھے کہا کرتے تھے، اسی طرح "انعم اللہ بک عیناً" "أنعم صباحاً" کہنے کا بھی دستور تھا، لیکن اسلام کے آنے کے بعد طرز تحیہ بدل گیا اور اس کو چھوڑ وا دیا گیا۔

چنانچہ ابوداؤد شریف کی روایت ہے حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ ہم

زمانہ جاہلیت میں ”انعم اللہ بک عیناً“ اللہ تیری آنکھ ٹھنڈی رکھے اور ”انعم صباحاً“ صبح بخیر کہا کرتے تھے (یعنی ان الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے) پھر جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے روک دیا گیا“ (ابوداؤد شریف ۲/۵۴۳ اباب فی الرجل یقول انعم اللہ بک عیناً)۔

معمر فرماتے ہیں کہ ”انعم اللہ بک عیناً“ کہنا مکروہ ہے کیونکہ کسی کی زندگی یا فراخی اللہ کی آنکھوں کو ٹھنڈا نہیں بناتی البتہ انعم اللہ عینک کہنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کا ترجمہ یہ ہے اللہ تجھے مسرور اور تیری آنکھوں کو ڈھنڈا رکھے۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب کی رائے:

نوٹ: حیاک اللہ، اور انعم صباحاً کے مترادف اللہ، اللہ یا داللہ خوش رہو، وغیرہ الفاظ میں جس کو بعض بوڑھے جہلاء استعمال کرتے ہیں ان الفاظ کے بارے میں حضرت مولانا مفتی فتح محمد صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ فی نفسہ یہ الفاظ اگرچہ محبوب ومحمود ہیں لیکن لفظ سلام کی جگہ ان الفاظ کو استعمال کرنے والا تارک سنت ہونے کی وجہ سے عاصی اور اختراع جدید کی وجہ سے بدعتی اور بے محل استعمال کرنے کی وجہ سے بے ادب ہوگا، کیونکہ محل السلام علیکم کا ہے، (بتوضیح خلاصۃ التفاسیر ۱/۴۱۹)۔

مسلمانوں کے سلام کا طریقہ:

(۵) السلام علیکم، یہ مسلمانوں کا سلام ہے، ان کے نزدیک سلام کرنے کا طریقہ ہے کہ السلام علیکم کہے اور یہ پانچوں قسموں میں سب سے افضل واعلی ہے، اسی

کو حضرات ملائکہ اور حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لے کر حضور ﷺ تک تمام انبیاء کرام اور خود حضور ﷺ نے پسند کیا اور اختیار کیا اور امت محمدیہ کے لئے اسی جملہ کو منتخب کیا گیا جیسا کہ تفصیلی کلام اس پر یہ خادم کر چکا ہے (درۃ الناصحین ۵۹)۔

مزاج پرسی کا ثبوت:

سلام کے بعد نمبر متصلاً مزاج پرسی و خیریت معلوم کرنے کا ہے، حضور پاک ﷺ سے سلام کے بعد مزاج پرسی کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سلام کرنے کے بعد خیریت معلوم کرے۔

چنانچہ حضرت ابو اسید الساعدیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جب حضرت عباسؓ کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا السلام علیکم تو گھر والوں نے جواباً عرض کیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضور ﷺ نے فرمایا آپ حضرات کے مزاج کیسے ہیں؟ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں یا رسول اللہ، فرمایا میں بھی الحمد للہ بخیریت ہوں (جمع الفوائد ۱۳/۴)۔ (مرحباً کہنا)۔

خوش آمدید کہنے کا حکم:

اسی طرح سلام کے بعد اگر کوئی شخص اہلاً وسہلاً مرحباً یا خوش آمدید کہے تو کوئی حرج نہیں بلکہ ازدیاد انس کی غرض سے مستحسن ہے، اور مرحباً کہنے کا ثبوت حدیث پاک سے ہے، حضرت عکرمہ جس دن تشریف لائے تو حضور ﷺ نے فرمایا "مرحباً

بالراكب المهاجر“۔

جن لوگوں کوسلام کرنا مکروہ ہے اس کی تفصیل:

اب ان حضرات کی فہرست سپرد قرطاس کی جاتی ہے جن کوسلام کرنا مکروہ ہے ان حضرات کوحسب بیان علامہ شامی سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

نمازی کوسلام کا حکم:

(۱) نماز پڑھنے والا، یعنی اگر کوئی آدمی نماز پڑھنے میں مشغول ہو، خواہ فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل، بہرصورت سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے شخص کوسلام کرنے والا گنہگار ہے۔

تلاوت کرنے والے کوسلام کا حکم:

(۲) قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا، یعنی اگر کوئی آدمی قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو خواہ زبانی تلاوت کررہا ہو یا دیکھ کر، گھر میں ہو یا مسجد میں بہرصورت سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

ذاکر کوسلام کا حکم:

(۳) ذاکر، یعنی کوئی آدمی ذکراللہ میں مشغول ہوخواہ دوازدہ تسبیح کا ذکر ہو یا

کوئی دوسری تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو یا وعظ کہہ رہا ہو غرض کہ اللہ کی یاد میں مشغول ہو خواہ کسی طرح ہو ایسے شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

دوران درس سلام کا حکم:

(۴) حدیث کا درس دینے والا، اگر کوئی آدمی حدیث پاک کا درس دے رہا ہو تو دوران درس اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

خطیب کو سلام کا حکم:

(۵) خطیب، یعنی اگر کوئی آدمی خطبہ دے رہا ہو، خواہ خطبۂ جمعہ ہو یا خطبۂ نکاح ہو یا خطبۂ عیدین ہو بہر صورت خطبہ دینے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

تلاوت یا خطبہ سننے والے کو سلام کا حکم:

(٦) اگر کوئی آدمی تلاوت، یا ذکر، یا وعظ، یا حدیث، یا خطبہ سن رہا ہو تو اس سننے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

تکرار کرتے وقت سلام کا حکم:

(۷) علم فقہ کا تکرار کرنے والا، اگر کوئی شخص علم فقہ کا تکرار کر رہا ہو، دوسروں کو سمجھانے کے لئے یا خود یاد کرنے کے لئے جیسا کہ مدارس میں طلباء رات کو اپنے

ساتھیوں کو سمجھانے کے لئے یا خود یاد کرنے کے لئے تکرار کیا کرتے ہیں تو ان کو سلام کرنا مکروہ ہے جس وقت تکرار میں مشغول ہوں۔

قاضی یا مفتی کو سلام کا حکم:

(۸) فیصلہ کے لئے بیٹھنے والا، اگر کوئی قاضی ہو اور اس کے پاس فریقین فیصلے کے لئے حاضر ہوں تو ایسے وقت میں جبکہ قاضی فیصلہ کے لئے بیٹھا ہے فریقین کے لئے قاضی کو سلام کرنا مکروہ ہے (ویسے جب چاہیں سلام کریں کوئی حرج نہیں یہ ممانعت خاص وقت میں ہے) اسی طرح اگر کسی مفتی کے پاس فریقین فیصلہ کے لئے حاضر ہوں تو فریقین کے لئے مفتی کو سلام کرنا مکروہ ہے اور اس خاص وقت کے علاوہ اوقات میں یہ ممانعت نہیں ہے، اسی طرح اگر فریقین دار القضاء میں بیٹھے ہوں اور قاضی یا مفتی فیصلہ کرنے کے لئے جائیں تو اس خاص وقت میں فریقین کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

شرعی مسئلہ میں بحث کے وقت سلام کا حکم:

(۹) کسی علم شرعی میں بحث کرنے والا، یعنی اگر چند آدمی ایک جگہ بیٹھ کر کسی مسئلے میں بحث کر رہے ہوں خواہ وہ مسئلہ فقہی ہو یا نحوی ہو یا صرفی ہو، تو ایسے لوگوں کو اس خاص وقت میں جبکہ ریسرچ کر رہے ہوں سلام کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی شرعی مسئلہ کے بجائے غیر شرعی مسئلہ پر ریسرچ کر رہے ہوں تو ان کو سلام کرنا مکروہ نہیں ہے۔

اذان کے وقت سلام کا حکم:

(۱۰) مؤذن، اگر کوئی شخص اذان دے رہا ہو تو اذان دیتے وقت اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

اقامت کے وقت سلام کا حکم:

(۱۱) مقیم، اگر کوئی اقامت کہہ رہا ہو تو اقامت کہنے کی حالت میں اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

علوم شرعیہ کے درس کے وقت سلام کا حکم:

(۱۲) مدرس، کوئی استاذ جس وقت کسی علم شرعی کے درس دینے میں مشغول ہو تو استاذ کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور اگر درس علم شرعی کا نہ ہو تو اس وقت سلام کرنا مکروہ نہیں ہے۔

جوان لڑکی کو سلام کا حکم:

(۱۳) جوان لڑکی، اگر کوئی عورت جوان ہو تو مرد کے لئے اس کو سلام کرنا مکروہ ہے، اسی طرح جوان لڑکی کے لئے مکروہ ہے کہ مرد کو سلام کرے، اور اگر عورت بوڑھی ہو سلام کرنے میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو سلام کرنا جائز ہے۔

محرمات کے مرتکبین کوسلام کا حکم:

(۱۴) شطرنج کھیلنے والا، اگر کچھ لوگ بیٹھے شطرنج کھیل رہے ہوں تو اس وقت ان کوسلام کرنا مکروہ ہے۔اسی طرح جوا کھیلنے والوں کوکھیلتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔شراب پینے والے کوشراب پیتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔کسی کی غیبت کرنے والے کو،غیبت سننے والے کوغیبت کرتے وقت اور سننے کےوقت سلام کرنا مکروہ ہے۔ کبوتر باز،مرغ باز کوکبوتر بازی مرغ بازی کرتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔گانا گانے والے کوگاتے وقت ناچنے والے کوناچتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔گانا سننے والے کو اور ناچ دیکھنے والے کو سننے اور دیکھنے کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے۔کسی بھی خلاف شرع کام کرنے والے کواس کام کے کرنے کےوقت سلام کرنا مکروہ ہے۔اسی طرح فاسق کوجوعلی الاعلان فسق کرتا ہوسلام کرنا مکروہ ہے۔اوراس کے بعد جب تک ان کا تائب ہونا معلوم نہ ہوجائے سلام کرنا مکروہ ہے۔

صحبت کے وقت سلام کا حکم:

(۱۵) اگرکوئی آدمی اپنی بیوی سے صحبت کررہا ہو یا مبادیات جماع میں مشغول ہوتوایسے شخص کواس خاص وقت میں سلام کرنا مکروہ ہے۔

کافر کو سلام کا حکم:

(۱۶) کافر، اگر کسی کافر سے ملاقات ہو جائے تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت جانا ہو تو اس وقت سلام کرنا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ماسبق میں گذر چکی ہے۔

ستر عورت کھولنے والے کو سلام کا حکم:

(۱۷) کاشف ستر عورت، اگر کوئی آدمی ستر عورت (جو ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے) کھولے ہو اگر چہ ضرورۃً ہی کیوں نہ کھولا ہو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے، دیہاتوں میں عام طور پر گھٹنہ کھولے بیٹھے رہتے ہیں ان کا خیال رکھنا چاہئے۔

پیشاب پاخانہ کرنے والے کو سلام کا حکم:

(۱۸) پائخانہ کرنے والا، اگر کوئی آدمی بیٹھا ہوا قضاء حاجت کر رہا ہو تو اس وقت اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح پیشاب کر رہا ہو تو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔

کھاتے وقت سلام کا حکم:

(۱۹) کھانا کھانے والا، اگر کوئی آدمی کھانا کھا رہا ہو تو اس وقت اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

زندیق کو سلام کا حکم:

(۲۰) زندیق، زندیق کا اطلاق باعتبار لغت اس شخص پر ہوتا ہے جو باری تعالی کا منکر ہو، یا باری تعالی کے ساتھ کسی کو شریک ثابت کرتا ہو، یا باری تعالی کی حکمت کا منکر ہو (لسان العرب)۔

اور اصطلاح شرع میں زندیق ایسے شخص کو کہتے ہیں جو حضور ﷺ کی نبوت کے اعتراف کے ساتھ کفر مضمر رکھتا ہو (شرح المقاصد) یعنی عقیدہ کفریہ رکھتا ہو لیکن اپنے اس عقیدہ کفریہ کو اسلامی شکل وصورت میں ڈھال کر اس طرح بتلاتا ہو کہ لوگ دھوکہ میں پڑ جائیں۔ اسی وجہ سے علامہ شامی لکھتے ہیں: ”زندیق اپنے کفر پر ملمع سازی کرتا ہے اور اپنے عقائد فاسدہ کو رائج کرنا چاہتا ہے اور اس کو عمدہ صورت میں ظاہر کرتا ہے (ردالمحتار ۳/۲۹۶ مطلب فی الفرق بین الزندیق والمنافق والدہری والملحد)۔

حاصل کلام یہ کہ جو شخص صفات بالا کے ساتھ متصف ہو وہ زندیق ہے اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

مسخرہ کو سلام کا حکم:

(۲۱) (مسخرہ) فحش و دل آزار مذاق کرنے والا، اگر کسی شخص کی فطرت ثانیہ بن چکی ہو، فحش مذاق کرنے کی تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

لغو باتیں کرنے والے کو سلام کا حکم:

(۲۲) لغو کلام کرنے والا، اگر کوئی آدمی لایعنی و لغو باتیں کرتا ہے تو ایسے شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

جھوٹے کو سلام کا حکم:

(۲۳) جھوٹ بولنے والا، اگر کوئی شخص بلاضرورت جھوٹ بولتا ہو تو اس کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

بدبیں بازاری کو سلام کا حکم:

(۲۴) اگر کوئی آدمی بازار میں اس وجہ سے جاتا ہو اور وہاں نشست کرتا ہو تاکہ عورتوں کا نظارہ کرے اور ان کے حسن سے اپنی آنکھوں کو سیکے تو ایسے شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

گالی دینے والے کو سلام کا حکم:

(۲۵) اگر کوئی شخص لوگوں کو گالی دیتا ہو تو ایسے شخص کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ (یہ عام لوگوں کو گالی دینے کا حکم ہے اس سے ان لوگوں کی قباحت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جو علماء اور مشائخ کو گالی دیتے ہیں ان کو سلام کرنا بدرجہ اولی مکروہ ہے)۔

مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے والے کو سلام کا حکم:

(۲۶) اگر کچھ لوگ مسجد میں بیٹھے ذکر یا تلاوت یا تسبیح میں مشغول ہوں یا نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں ان کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے۔

تلبیہ پڑھنے والے کو سلام کا حکم:

(۲۷) اگر کوئی حاجی تلبیہ پڑھ رہا ہو تو اس کو بھی اس حالت میں سلام کرنا مکروہ ہے۔

کن لوگوں کے سلام کا جواب ضروری نہیں؟

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون کون سی جگہیں ایسی ہیں جہاں سلام کا جواب دینا ضروری نہیں؟ اس سوال کے دو جواب ہیں: (۱) اجمالی، (۲) تفصیلی۔

اجمالی جواب جس کی حیثیت ضابطہ کی ہے اس کے بعد پھر تفصیلی جواب کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی وہ یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں پر سلام مشروع نہیں وہاں اگر کوئی سلام کر دے تو اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری صاحب بحر الرائق نے زیلعی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کما فی رد المحتار (۴۱۵/۱)۔ "ومفاده أن كل محل لا يشرع فيه السلام لا يجب رده" اور تفصیل کے ساتھ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان ساری جگہوں کو جہاں سلام کا جواب دینا واجب

نہیں نظم میں جمع کر دیا ہے جس کو علامہ ابن عابدین شامی نے بھی اپنی کتاب ردالمحتار میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، یا کھانے میں مشغول ہو، یا کوئی چیز پی رہا ہو، یا تلاوت کلام پاک میں مشغول ہو، یا دعاء تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو، یا ذکر کر رہا ہو، یا خطبہ دے رہا ہو، یا سن رہا ہو، یا تلبیہ پڑھ رہا ہو، یا پائخانہ پیشاب کر رہا ہو، یا تکبیر کہہ رہا ہو، یا اذان دے رہا ہو، ان حالات میں سے کسی بھی ایک حالت میں اگر کوئی ہو تو اس وقت اس کے لئے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ اسی طرح جس کو سلام کیا ہے وہ بچہ ہو، یا بیہوش ہو، یا ایسی جوان عورت ہو جس کے جواب میں فتنہ کا اندیشہ ہو، یا فاسق ہو، یا اونگھ رہا ہو، یا سو رہا ہو، یا جماع کر رہا ہو، یا فیصلہ کر رہا ہو، یا غسل خانہ میں ہو، یا مجنون ہو، تو ان لوگوں پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔

بلا عذر سلام کے جواب میں تاخیر مکروہ تحریمی ہے:

اگر کوئی سلام کرے تو اس کے سلام کا فوراً جواب دینا ضروری ہے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے فوراً جواب نہیں دے سکا تو کوئی حرج نہیں عذر ختم ہونے پر جواب دیدے اور اگر بغیر کسی عذر کے جواب میں تاخیر کی تو گنہگار ہوگا اس لئے کہ بلا عذر جواب میں تاخیر مکروہ تحریمی ہے اور گناہ سلام کے جواب سے معاف نہیں ہوگا بلکہ توبہ کے ذریعہ معاف ہوگا، لہذا اگر کوئی شخص بلا عذر سلام کا جواب تاخیر سے دے تو اس کو چاہئے کہ توبہ کرے ورنہ گنہگار رہے گا (کذا فی ردالمحتار ۲۶۶/۵)۔ "قولہ رد

السلام وتشميت العاطس على الفور، ظاهره أنه إذا أخر بغير عذر كره تحريماً ولا يرتفع الإثم إلا بالتوبة" (طحطاوی ۴/۲۰۷)۔

سلام کے جواب کا سنانا واجب ہے:

حضرات فقہاء لکھتے ہیں سلام کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور سلام کا سنانا مستحب ہے (یعنی اتنی زور سے سلام کرنا جس کو سلام کیا ہے وہ سن لے) اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے، اور جواب کا سنانا (یعنی اتنی زور سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا جواب سن لے) واجب ہے۔ لہذا اگر سلام کرنے والے نے جواب نہیں سنا تو وجوب ساقط نہیں ہوگا۔ دوبارہ جواب دینا لازم ہوگا، "وشرط في الرد وجواب العطاس إسماعه" (درمختار ۵/۲۶۵)۔ اسی وجہ سے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر سلام کرنے والا بہرا ہو تو جواب دینے والے پر واجب ہے کہ اپنے ہونٹوں کو جواب کے ساتھ ہلا کر اس کو دکھلائے تاکہ اس کو یقین ہو جائے کہ اس نے میرے سلام کا جواب دیا ہے (ردالمحتار ۵/۲۶۵)۔

باوضو جواب دینا مستحب ہے:

فتاوی غیاثیہ کے حوالہ سے عالمگیری میں یہ جزئیہ ہے کہ جواب دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ طہارت کے ساتھ جواب دے اگر باوضو نہ ہو تو تیمّم کرلے تیمّم بھی جواب کے لئے وضو کے قائم مقام ہے فوراً تیمّم کرے اور پھر جواب

دے (۳۲۵/۵)، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور پاک ﷺ قضاء حاجت سے فارغ ہوکر تشریف لائے تو ایک صاحب نے سلام کیا آپ ﷺ خاموش رہے وضو کیا اس کے بعد جواب دیا اور پھر فرمایا کہ سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام بغیر طہارت کے لوں اور اپنی زبان پر لاؤں اس وجہ سے اس وقت جواب نہیں دیا، اب جواب دے رہا ہوں۔

متعین سلام کا حکم:

اگر کوئی آدمی کسی کو مشخص و متعین کر کے سلام کرے مثلاً یہ کہے السلام علیکم یا زید، اے زید تم پر سلام ہو تو زید ہی کو جواب دینا ضروری ہے، اگر عمر نے جواب دیدیا تو زید سے سلام کا جواب ساقط نہیں ہوگا بلکہ زید کو جواب دینا ہوگا۔

اور اگر نام نہیں لیا بلکہ اشارہ کیا یعنی السلام علیکم کہا اور کسی کی طرف اشارہ کیا اور جواب مشار الیہ کے علاوہ کسی شخص نے دیدیا تو اس صورت میں مشار الیہ سے جواب ساقط ہوجائے گا اب مشار الیہ پر جواب لازم نہیں (ردالمحتار ۲۶۵/۵)۔

اہل مجلس کو سلام کا حکم:

اور اگر کسی جگہ مخصوص مجلس ہو اور کوئی شخص ان مجلس والوں کو سلام کرے اور جواب کوئی ایسا شخص دیدے جو مجلس سے خارج ہو تو یہ غیر کا جواب مجلس والوں کی

طرف سے کافی نہیں ہوگا بلکہ مجلس والوں کو جواب دینا ضروری ہے اگر مجلس والوں میں سے کسی ایک نے بھی جواب دیدیا تو پوری مجلس والوں کی طرف سے وہ جواب کافی ہے، ورنہ سب ترک واجب کے گنہگار ہوں گے (طحطاوی علی الدر ۲۰۷/۴)۔

مجلس واحد میں تکرار سلام کا حکم:

اگر کسی مجلس میں کوئی شخص آئے اور سلام کرے تو مجلس والوں پر اس سلام کا جواب ضروری ہے، اور اگر وہی شخص اسی مجلس میں بیٹھے ہوئے چند منٹ کے بعد پھر مجلس والوں کو سلام کرے تو مجلس والوں پر اس سلام ثانی کا جواب ضروری نہیں، جیسا کہ علامہ طحطاوی نے فتاوی تاتارخانیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے (فرع) "إن سلم ثانياً في مجلس واحد لا يجب رد الثاني" (تاتارخانیہ ۲۰۷/۴، ہکذا فی الفتاوی الہندیہ ۳۲۵/۵، ردالمحتار ۲۶۷/۵) (تتمہ)۔

سائل کے سلام کا جواب واجب نہیں:

اگر کوئی سائل آئے اور سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں، اور اگر سائل سوال کی نیت سے نہ آیا ہو بلکہ ویسے ہی ملنے آیا ہو تو پھر سلام کا جواب دینا واجب ہے (کذا فی الفتاوی الہندیہ ۳۲۵/۵)۔

نوٹ: مدارس کے سفراء مذکورہ بالا حکم کے تحت داخل نہیں اس لئے کہ یہ اپنے

لئے نہیں مانگتے بلکہ یہ وکیل وسفیر ہوتے ہیں مدارس کے اس لئے ان کے سلام کا جواب واجب ہے۔

دخول مسجد کے وقت سلام کا حکم:

مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا آداب مسجد میں سے ہے، کذا فی القرطبی، اگر مسجد میں کوئی نہ ہوتو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہے، اور اگر کچھ لوگ ہوں لیکن نماز، یا تلاوت، یا ذکر وغیرہ میں مشغول ہوں یا انتظار صلوۃ میں بیٹھے ہوں تو ایسی صورت میں داخل ہونے والا سلام نہ کرے، اور اگر سلام کیا تو جواب دینا واجب نہیں جی چاہے جواب دے یا نہ دے اختیار ہے۔ان صورتوں کے علاوہ سلام کرنا جائز ہے (کذا فی الفتاوی الہندیہ ۳۲۵/۵)۔

پان کے بعد سلام:

بعض جگہوں پر یہ دستور ہے کہ اگر کوئی پان پیش کرے تو پان لینے والا پان پیش کرنے والے کو سلام کرتا ہے، اس کا ثبوت کہیں سے نہیں یہ محدثات (بدعات) کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے قابل ترک ہے محض ایک رسم ہے جہاں پر سلام کرنا چاہئے اور مسنون ہے وہاں کے بجائے اپنی طرف سے نئی تہذیب کے تحت ایک رسم نکالی گئی ہے حالانکہ عالمگیری میں ہے: ''السلام تحیۃ الزائرین'' سلام زائرین کا تحیہ ہے

یعنی اگر کوئی زیارت کرنے آئے ملاقات کرنے آئے ذرا فصل کے بعد ملاقات ہوتو وہاں سلام کرنا چاہئے اور فاصلہ اگر چہ ایک دیوار اور درخت کا کیوں نہ ہو۔

لیکن ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے پان دیا، اس پر سلام یہ بدعت ہے۔

کون کس کوسلام کرے؟

حضرات فقہاء کرام نے اس کی تصریح کی ہے:

سوار پیدل چلنے والے کوسلام کرے؟

(ا)"الراکب یسلم علی الماشی" سوار پیدل چلنے والے کوسلام کرے اگر کوئی سواری پر جارہا ہو اور دوسرا مسلمان ادھر سے پیدل آرہا ہو اور دونوں کی ملاقات ہوجائے تو سوار کو چاہئے کہ پیدل چلنے والے کوسلام کرے، سلام میں پہل کرنے کا حق سوار کا ہے (الفتاوی الہندیہ ۳۲۵/۵)۔

سوار کے ابتداء بالسلام کی حکمت:

اور علامہ سید احمد طحطاوی نے اس کی وجہ بھی بیان کی ہے، لِاِ زالۃ الخوف خوف کوزائل کرنے کے لئے اس لئے کہ سوار کی ایک حیثیت ہے پیدل چلنے والا اس کو دیکھ کر ہوسکتا ہے کہ خوفزدہ ہوجائے، اور اس کا احتمال ہے کہ پیدل چلنے والا یہ سوچنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ سوار مجھ پر حملہ کر بیٹھے اس خوف و ہراس کو ختم کرنے کے لئے شریعت

نے سوار کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ جب قریب آئے تو پیدل چلنے والے کو اس کی طرف سے اطمینان ہو جائے اور دل سے خوف نکل جائے (طحطاوی علی الدر ۴/۲۰۷)۔

چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے:

(۲) چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے یعنی اگر کوئی شخص جا رہا ہو اور دوسرا شخص بیٹھا ہو تو گذرنے والے پر یہ حق ہے کہ بیٹھنے والے کو سلام کرے گذرنے والا خواہ پیدل جا رہا ہو یا سواری پر ہو پھر پیدل تنہا ہو یا اور بھی دوسرے حضرات اس کے ساتھ ہوں اسی طرح سواری خواہ سائیکل ہو یا موٹر سائیکل، رکشہ ہو یا آٹو رکشہ، جیپ ہو یا کار بس ہو یا ٹرک بہر صورت سلام میں پہل کرنے کا حق گذرنے والے کا ہے۔

اسی طرح بیٹھنے والا تنہا ہو یا اور کوئی اس کے ساتھ ہو نیز زمین پر بیٹھا ہو یا فرش پر بیٹھا ہو تخت پر بیٹھا ہو یا کرسی پر بیٹھا ہو غرضیکہ کسی چیز پر بیٹھا ہو، "**ویسلم الماشی علی القاعد**" (ردالمحتار ۵/۲۶۷) (تتمہ)۔

اور اس کی بھی علت علامہ طحطاوی نے ازالۂ خوف ہی تحریر فرمائی ہے جس کی تفصیل ابھی ابھی گذر چکی ہے، فلیطالع ثانیاً۔

چھوٹا بڑے کو سلام کرے:

(۳) چھوٹا بڑے کو سلام کرے، اگر کوئی چھوٹا جا رہا ہو اور ادھر سے کوئی بڑا آ رہا ہو تو چھوٹے کو چاہئے کہ بڑے کو سلام کرے، "**والصغیر علی الکبیر**"

(خلاصۃ الفتاوی ۴/۳۳۳)۔

علامہ طحطاوی نے اس کی وجہ توقیر قرار دی ہے کہ اس میں بڑے کی توقیر و تعظیم ہے۔

قلیل کثیر کو سلام کرے:

(۴) قلیل کثیر کو سلام کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ادھر سے چار آدمی جارہے ہوں اور ادھر سے چار کے بجائے آٹھ آرہے ہوں تو چار کو چاہئے کہ آٹھ کو سلام کرے۔ علامہ طحطاوی نے اس کی علت تواضع قرار دی ہے (طحطاوی علی الدر ۴/۲۰۷)۔

پیچھے سے آنے والا آگے والے کو سلام کرے:

(۵) اگر کوئی شخص کھڑا ہو اور اس کے پیچھے سے کوئی دوسرا شخص آئے تو پیچھے سے آنے والے کو چاہئے کہ سلام کرے، "**كذا فى المحيط ويسلم الذى يأتيك من خلفك**" (الفتاوی الہندیہ ۵/۳۲۵)۔

شہری دیہاتی کو سلام کرے:

(٦) شہر سے آنے والا دیہات سے آنے والے کو سلام کرے، دوسرا قول یہ ہے کہ دیہات سے آنے والا شہر سے آنے والے کو سلام کرے، (کذا فی خلاصۃ الفتاوی ۴/۳۳۲)۔

مساوات کی صورت میں سلام کا حکم:

(۷) اور اگر دونوں راکب (سوار) ہوں یا دونوں پیدل ہوں۔ دونوں چھوٹے ہوں یا دونوں بڑے ہوں۔ دونوں قلیل ہوں یا دونوں کثیر ہوں دونوں شہری ہوں یا دونوں دیہاتی ہوں، اور دونوں جا رہے ہوں راستہ میں ایک دوسرے سے ملاقات ہو جائے تو ان میں ہر ایک سلام میں پہل کرنے کا مستحق ہے اور ان میں سے جو بھی سلام کرنے میں سبقت لے جائے وہ افضل ہے اور اگر ایک ہی ساتھ دونوں نے سلام کیا تو ہر ایک پر دوسرے کے سلام کا جواب واجب ہے (کذا فی ردالمحتار ۵/۲۶۷) (تتمہ)۔

(۸) اور جو کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ ہر ایک کی دوسرے سے راستہ میں ملاقات ہو اور اگر راستہ میں ملاقات نہ ہو بلکہ اتر کر بیٹھنے والوں کے پاس آئیں تو بہرصورت آنے والے پر یہ حق ہے کہ بیٹھنے والوں کو سلام کرے آنے والا خواہ شہری ہو یا دیہاتی۔ قلیل ہوں یا کثیر، صغیر ہو یا کبیر۔ اس صورت میں وہ حکم نہیں جو ماقبل میں بیان کیا گیا ہے، (کذا فی الطحطاوی علی الدر ۴/۲۰۷)۔

کب تک سلام بند کیا جا سکتا ہے؟

اصل تو یہ ہے کہ ایک انسان کی ہمدردی دوسرے انسان کے ساتھ ہمیشہ ہو اس میں تقاطع نہیں ہونا چاہیئے لیکن حب فی اللہ کے ساتھ بغض فی اللہ کی بھی اجازت

ہے یعنی وجوہات شرعیہ میں سے کسی وجہ کے تحت اگر کسی بھائی سے مقاطعہ ہو سلام کلام بند کر دیا جائے تو اس کی بھی اجازت ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی قید ہے کہ ۳ دن سے زائد نہ ہو۔ ۳ دن تک گنجائش ہے اس کے بعد اس مقاطعہ کو جاری رکھنا شرعاً جائز نہیں۔ اس لئے کہ حضور پاک ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت ہے جس کے راوی حضرت ابوایوب الانصاریؓ ہیں فرماتے ہیں حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زائد چھوڑے رکھے (اور اگر کہیں اچانک آمنا سامنا ہو جائے) تو یہ اپنا چہرہ (اس سے پھیر لے اور وہ اپنا چہرہ (اس سے) پھیر لے۔

لیکن ۳ دن سے زائد ترک تعلق کی ممانعت اس تقدیر پر ہے کہ باعث ہجران کوئی ایسی بات ہو جو آداب معاشرت یا حقوق صحبت سے متعلق ہو اور اگر باعث ترک تعلق کوئی امر دینی ہو تو اس صورت میں تین دن سے زائد بلکہ اس وقت تک ترک تعلق کی اجازت ہے جب تک توبہ نہ کر لے، توبہ کے بعد ہی تعلق استوار کرے (لمعات)۔

مصافحہ:

اب تک تو سلام کے متعلق اس کے تمام اجزاء پر روشنی ڈالی گئی اب مصافحہ سے متعلق کچھ باتیں سپرد قرطاس کی جارہی ہیں اس لئے کہ مصافحہ کا بھی سلام سے ایک خاص جوڑ ہے اسی وجہ سے مصافحہ کو تتمہ سلام قرار دیا گیا ہے (چنانچہ حضرت عبداللہ

بن مسعودؓ کی حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے،''قال من تمام التحیۃ الأخذ بالید''
حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا سلام کی تکمیل ہاتھ پکڑنا یعنی مصافحہ کرنا ہے
(ترمذی ۹۷/۲ باب ما جاء فی المصافحۃ) حدیث پاک میں مصافحہ کے بھی بے شمار
فضائل موجود ہیں، ان میں سے چند حدیثوں کو یہاں نقل کرتا ہوں:

مصافحہ سے دونوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں:

(۱)''عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمَیْنِ یَلْتَقِیَانِ فَیَتَصَافَحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَھُمَا قَبْلَ أَنْ یَفْتَرِقَا'' (ابوداؤد ۳۵۲/۲ باب فی المصافحہ، ترمذی ۹۷/۳، واللفظ لابی داؤد)۔

(جو بھی دو مسلمان ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے قبل دونوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں)۔

مصافحہ سے دلوں کی رنجش دور ہوتی ہے:

(۲)''تَصَافَحُوْا یُذْھِبُ الْغِلَّ وَتَھَادُوْا وَتَحَابُوْا تُذْھِبَ الشَّحْنَاءَ'' (مؤطاامام مالک)۔

(باہم مصافحہ کیا کرو اس سے دلوں کی رنجش دور ہوتی ہے، اور ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو باہم محبت پیدا ہوگی اور کینہ جاتا رہے گا)۔

مصافحہ سے دونوں کی مغفرت کردی جاتی ہے:

(۳)"عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَ حَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا" (ابوداؤد شریف ۲/۲۵۳)

(جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں اور اللہ کی تعریف کرتے ہیں، اور استغفار کرتے ہیں تو دونوں کی مغفرت کردی جاتی ہے)۔

مصافحہ سے دونوں کے گناہ جھڑتے ہیں:

(۴)"عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ مَرْفُوْعًا إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا لَقِيَ الْمُؤْمِنَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَأَخَذَ بِيَدِهٖ فَصَافَحَهٗ تَنَاثَرَتْ خَطَايَاهُمَا كَمَا يَتَنَاثَرُوْنَ الشَّجَرَ" (اوسط للطبرانی)۔

((ایک) مؤمن جب (دوسرے) مؤمن سے ملتا اور اس کو سلام کرتا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے درخت کے (سوکھے) پتے جھڑتے ہیں)۔

فائدہ: شاید بعض جاہلوں نے اسی سے استنباط کیا کہ ہاتھوں کو جھٹکا دیا جائے جیسے درخت کو جھڑ جھڑایا جاتا ہے حالانکہ مقصود مصافحہ سے گناہ کے جھڑنے کو ایک مثال سے واضح کرنا ہے۔

مصافحہ کرنے والے پر سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں:

(۵)''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ مَرْفُوعًا إِنَّ الْمُسْلِمَيْنِ إِذَا الْتَقَيَا فَتَصَافَحَا وَتَسَائَلَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا مِائَةَ رَحْمَةٍ تِسْعَةٌ وَتِسْعِيْنَ أَلْيَنُهُمَا وَأَطْلَقَهُمَا وَأَبَرُّهُمَا وَأَحْسَنَهُمَا مَسْأَلَةٌ لِأَخِيْهِ''(الاوسط للطبرانی)۔

(دو مسلمان جب ملتے اور مصافحہ کرتے اور ایک دوسرے کی مزاج پرسی کرتے ہیں تو ان پر اللہ تعالی سو رحمتیں نازل فرماتے ہیں جن میں ننانوے اس کے لئے ہیں جو بھائی کی مزاج پرسی میں دلبستگی و بشاشت و خوبی زیادہ رکھتا ہے)۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ سلام و مصافحہ کے ساتھ مزاج پرسی کرنی چاہئے اور انتہائی بشاشت اور فراخ دلی کا ثبوت پیش کرنا چاہئے کہ یہ بھی اجر سے خالی نہیں۔

کثرت سے مصافحہ مستحسن ہے:

احادیث کے تتبع سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصافحہ میں کوئی تحدید و توقیت نہیں، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مصافحہ اس وقت کرنا چاہئے جب کہیں دور سے آئے حالانکہ ایسی بات نہیں جب جب سلام کی توفیق ہو مصافحہ بھی کرنا چاہئے اور ان فضائل کا جن کا تذکرہ ابھی آیا ہے تقاضا بھی یہی ہے کہ بار بار کثرت سے مصافحہ کیا

جائے چنانچہ حدیث پاک سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یمنی حضرات کثرت سے مصافحہ کرتے تھے۔ابوداؤد کی روایت ہے:

”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَدْ جَائَكُمْ اَهْلُ الْيَمَنِ وَهُمْ أَوَّلُ مَنْ جَاءَ بِالْمُصَافَحَةِ“ (ابوداؤد ۳۵۳/۴)۔

(حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب اہل یمن آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یمن والے آگئے اور یہی لوگ سب سے پہلے مصافحہ لے کر آئے)۔

حضرت سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں یعنی کثرت وشیوع میں سب سے پہلا ہاتھ انہیں حضرات کا ہے باقی نفس مصافحہ تو ان میں پہلے ہی سے تھا (بذل ۵۳۳/۵)۔

کفار سے مصافحہ کا حکم:

اس موقع پر اس کا بھی تذکرہ ضروری ہے کفار سے مصافحہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ حضرت ابوہریرہ ؓ کی مرفوع روایت میں ہے: ”لَا تَصَافَحُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى“ (اوسط) یہودیوں اور عیسائیوں سے مصافحہ نہ کیا کرو)۔اس لئے کہ اس میں اعداء اللہ کا احترام ہے اور اس سے محبت کا برتاؤ ہے اس لئے خیال رکھنا چاہئے بلاضرورت ان سے مصافحہ نہ کیا جائے البتہ ضرورت کے موقع پر دفع ضرر کے لئے مصافحہ میں کوئی حرج نہیں، ویسے عمومی حالات میں بلاضرورت احتیاط رکھنا چاہئے۔ ”وفقنا الله وإياكم لما يحب ويرضى“۔

مصافحہ کا مسنون طریقہ:

جب مصافحہ بھی آقا مدنی تاجدار مدینہ ﷺ کا عمل ہے اور کثیر ثواب کو متضمن ہے تو ہمارے لئے یہ زیب نہیں کہ اس کو طریقۂ رسول ﷺ کے خلاف کریں لہذا آیئے مصافحہ کا مسنون طریقہ معلوم کیا جائے۔

علامہ علاء الدین حصکفی تحریر فرماتے ہیں: "السنة فى المصافحة بكلتا يديه" (۲۴۴/۵)۔ یعنی دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے، عام طور پر لوگ صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں یہ سنت کے خلاف ہے، نیز صرف انگلی کا پکڑنا بھی مصافحہ میں داخل نہیں، اس لئے کہ مصافحہ "الصاق صفحة الكف بالكف وإقبال الوجه بالوجه" (کو کہتے ہیں یعنی ہتھیلی کو ہتھیلی سے ملانا اس طور پر کہ دونوں آمنے سامنے ہوں، نیز مصافحہ کرتے ہوئے انگوٹھے کو پکڑ کر ہلکا سا دبائے اور ہاتھ کو حرکت دے، اس میں ایک رگ ہوتی ہے جو محبت پیدا کرتی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے، "كما صرح به العلامة الشامى وأن يأخذ الإبهام فإن فيه عرقاً ينبت المحبة كذا جاء فى الحديث" (۲۴۴/۵)۔

مصافحہ کے بعد اپنا ہاتھ چومنا:

مصافحہ کرنے کے بعد یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنا ہاتھ چومتے ہیں اور سینہ پر پھیرتے ہیں، علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار میں اس کی تصریح کی ہے کہ

ملاقات کے بعد خود اپنا ہاتھ چومنا مکروہ ہے" **تقبيل يد نفسه إذا لقى غيره فهو مكروه فلا رخصة فيه**" (۲۴۵/۵)۔

کسی عالم کا ہاتھ چومنا:

البتہ جس سے مصافحہ کیا ہے اس کا ہاتھ چوم سکتے ہیں بشرطیکہ وہ عالم یا پرہیزگار متقی ہو یا عادل بادشاہ ہو یا استاذ و پیر ہو، بعض فقہاء نے اس کو سنت قرار دیا ہے، اسی طرح عالم کا سر چومنا بھی موجب ثواب ہے، البتہ کسی غیر عالم و متقی کا دنیاوی غرض حاصل کرنے کے لئے ہاتھ چومنا مکروہ ہے جیسا کہ صاحب درمختار نے تصریح کی ہے، "**ولا رخصة فيه أى فى تقبيل اليد لغيرهما أى لغير عالم وعادل هو المختار، و لنيل الدنيا كره**" (۲۴۵/۵)۔

بوسہ کی پانچ قسمیں:

بوسہ (چومنے) کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) قبلۃ المودۃ محبت کی وجہ سے چومنا، جیسے والدین کا اپنے بچوں کو چومنا۔

(۲) قبلۃ الرحمۃ، رحمت کی وجہ سے بوسہ دینا جیسے بچوں کا اپنے والدین کے سر کو بوسہ دینا۔

(۳) قبلۃ الشفقۃ، شفقت پیار کی وجہ سے بوسہ دینا جیسے بھائی کا اپنے بھائی کی پیشانی کو بوسہ دینا۔

(۴) قبلۃ الشہوۃ، شہوت کی وجہ سے چومنا جیسے شوہر کا اپنی بیوی اور آقا کا اپنی باندی کے منھ کو بوسہ دینا۔

(۵) قبلۃ التحیۃ، جیسے کسی صالح متقی یا عالم کے ہاتھ کو اکراماً واحتراماً بوسہ دینا۔

اور بعض نے ایک قسم کا اور اضافہ کیا ہے۔

(۶) قبلۃ الدیانۃ، جیسے حاجیوں کا حجر اسود کو بوسہ دینا۔

قُبلہ کی مذکورہ بالا ساری قسمیں جائز ہیں (درمختار ۲۴۶/۵)۔

عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے:

اسی کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی قابل ذکر ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد جو عام طور پر مصافحہ کا رواج ہے یہ غلط ہے، یہ نہ حضور ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ وتابعین وائمہ متبوعین سے اس لئے اس کو لازم وضروری وسنت سمجھنا صحیح نہیں، حضرات فقہا نے اسی وجہ سے اس کو بدعت ومکروہ قرار دیا ہے، ائمہ عیدین کو چاہئے کہ نماز سے پہلے لوگوں کو یہ مسئلہ بتلادیں۔

نماز عصر وفجر کے بعد مصافحہ بدعت ہے:

بعض جگہوں پر بعض مساجد میں اس کا بھی التزام دیکھا گیا ہے کہ عصر وفجر کی نماز کے بعد سارے مقتدی امام سے مصافحہ کرتے ہیں یہ بھی بدعت ہے اس میں شک نہیں کہ مصافحہ فی نفسہ سنت ہے لیکن اس طور پر التزام نہ حضور ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ وائمہ متبوعین سے، اسی وجہ سے امام نوویؒ فرماتے ہیں: ”وأما ما اعتاده

الناس من المصافحة بعد صلوۃ الصبح والعصر فلا أصل له فی الشرع علی هذا الوجه" یعنی فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ جس کے لوگ عادی ہیں اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ تبیین المحارم کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

"إنه تکره المصافحة بعد أداء الصلاة بکل حال لأن الصحابة رضی الله تعالی عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلوة ولأنها من سنن الروافض" (۲۴۴/۵)۔

(یعنی نماز کی ادائیگی کے بعد مصافحہ مکروہ ہے اس لئے کہ حضرات صحابہ نے نماز کے بعد مصافحہ نہیں کیا اور یہ روافض کا طریقہ ہے)۔

قارئین کرام ذرا غور کریں کہ ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا دعوی اور دوسری طرف ہمارا عمل روافض کے طریقہ کے مطابق، کیا یہ مناسب ہے؟

حافظ ابن حجر عسقلانی جلیل القدر محدث سے بھی اس کا بدعت ومکروہ ہونا منقول ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

"إنها بدعة مکروهة لا أصل لها فی الشرع وأنه ینبه فاعلها أولاً ویعزر ثانیاً"۔

(یعنی عصر وفجر کے بعد مصافحہ بدعت مکروہ ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں اگر کوئی پہلی مرتبہ ایسا کرے تو اس کو تنبیہ کی جائے (اگر مان جائے تو ٹھیک ہے

ورنہ) دوبارہ کرنے پر اس کو تعزیر کی جائے)۔

اسی انداز کی بات ابن الحاج مالکی بھی تحریر فرماتے ہیں کہ مصافحہ کی جگہ شرعاً ملاقات ہے نہ کہ نماز کے بعد، لہذا ایسا کرنے والوں کو اس سے روکا جائے اور چونکہ یہ کام خلاف سنت ہے اس لئے اس کو ڈانٹا جائے۔

"قال ابن الحاج من المالكية في المدخل إنها من البدع وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في إدبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة" (شامی ۲۴۴/۵)۔

معانقہ:

آداب ملاقات میں سے معانقہ بھی ہے اس لئے مصافحہ کے بعد یہاں پر اس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ روایات سے حضور پاک ﷺ کا معانقہ کرنا ثابت ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ ایک صاحب نے حضرت ابوذرؓ سے معلوم کیا کہ جب آپ حضرات حضور ﷺ سے ملاقات کرتے تو کیا حضور ﷺ آپ حضرات سے مصافحہ کرتے تھے تو حضرت ابوذر نے فرمایا کہ ہاں جب بھی ملاقات ہوئی تو آپ نے مصافحہ کیا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو مجھے بلانے کے لئے بھیجا اتفاق سے میں گھر نہیں تھا جب گھر واپس آیا تو

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے میرے یہاں کسی کو بھیجا تھا، چنانچہ میں خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ تخت پر تشریف فرما تھے اسی حال میں آپ نے مجھ سے معانقہ کیا اور وہ معانقہ بہت اچھا تھا (ابوداؤد ۳۵۲/۲، بذل ۳۲۵/۵)۔

لیکن اگر کوئی شخص معانقہ تکمیل شہوت کے لئے کرے تو جائز نہیں، اسی طرح اگر معانقہ میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو بھی صحیح نہیں، اسی وجہ سے امرد سے معانقہ میں احتیاط کرنا چاہیئے۔

کسی آنے والے کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہونا:

کسی آنے والے کو دیکھ کر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا فی نفسہ مکروہ نہیں بلکہ یہ مکروہ لغیرہ ہے، وہ شخص جس کی وجہ سے قیام کیا ہے اگر اس کو یہ پسند ہو اور اس کا خواہشمند رہتا ہو کہ لوگ مجھ کو دیکھ کر میری تعظیم میں کھڑے ہو جائیں اس وقت قیام مکروہ ہے، جیسا کہ محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے بذل المجہود میں اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں اس کی تصریح کی ہے، "**والقيام لغيره ليس بمكروه لعينه وإنما المكروه محبة القيام لمن يقام له**" (بذل ۳۲۶/۵، ردالمحتار ۲۴۶/۵)۔

اور اگر قیام ایسے شخص کے آنے کی وجہ سے کیا جو اپنی تعظیم میں قیام کا خواہشمند نہیں تو یہ مکروہ نہیں جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح کی ہے، "**فإن قام لمن لا يقام له لا يكره**" (۲۴۶/۵)۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اہل فضل، عالم، صلحاء شرفاء کے لئے

قیام جائز ہے جیسا کہ بذل میں ہے:"والصحیح أن احترام أهل الفضل والعلم والصلاح والشرف بالقیام جائز" (۳۲۶/۵)،اس لئے عامۃً ان لوگوں میں یہ بات پائی نہیں جاتی کہ لوگ میری تعظیم میں کھڑے ہوجائیں۔

امام نوویؒ تو ایسے حضرات کے لئے احتراماً کھڑے ہونے کو مستحب فرماتے ہیں،کمافی البذل (۳۲۶/۵):"وقال النووی القیام للقادم من أهل الفضل مستحب وقد جاءت فیه أحادیث ولم یصح فی النهی عنه شئی تصریحاً"،اسی انداز کی بات علامہ شامیؒ نے بھی نقل کی ہے:"قال ابن وهبان أقول وفی عصرنا ینبغی أن یستحب ذلک أی القیام لما یورث ترکه من الحقد والبغضاء والعداوة لا سیما إذا کان فی مکان اعتید فیه القیام" یعنی ابن وہبان فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں استحباب قیام ہی مناسب ہے خاص طور پر ان جگہوں میں جہاں لوگ قیام کے عادی ہیں،چونکہ قیام نہ کرنے کی وجہ سے کینہ،حسد،بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے (دل میں ٹھان لیتا ہے کہ اچھا دوست ہماری تمہارے نزدیک کوئی ویلو نہیں بتائیں گے تم کو)۔

اسی وجہ سے شیخ ابوالقاسم کے پاس جب کوئی مالدار جاتا تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے اور اگر کوئی غریب یا طالب علم جاتا تو کھڑے نہ ہوتے،اس تفریق کی وجہ ان سے کسی نے دریافت کی تو فرمایا کہ غنی مجھ سے تعظیم کی امید رکھتا ہے پس اگر میں اس کی تعظیم نہ کروں تو وہ ضرر میں مبتلا ہوجائے گا اور خلاف توقع امر کے

پیش آنے کی وجہ سے اس کو تکلیف ہوگی بخلاف فقراء وطلباء کے کہ وہ صرف یہ امید لے کر آتے ہیں کہ میں ان کے سلام کا جواب دیدوں اوران سے کچھ علمی بات کروں اس لئے یہاں کھڑا نہ ہونے میں کوئی ضرر نہیں (کمافی الشامی ۲۴۶/۵)۔

بایں وجہ صاحب بذل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے تصریح کی ہے کہ جہاں کھڑا ہونا مکروہ ہے (جس کی تفصیل ابھی گذری ہے) اگر قیام نہ کرنے کی وجہ سے جان ومال عزت وآبرو کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کوئی حاکم ہے اس کی تعظیم نہ کرنے کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ بے عزت کرے گا یا کسی جعلی مقدمہ میں پھانس دے گا تو اس کی وجہ سے اس مکروہ کا ارتکاب جائز ہے (بذل ۳۲۶/۵)۔

مروجہ قیام کا حکم:

اسی ضمن میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بدعتی حضرات صلوۃ وسلام پڑھتے ہوئے قیام کرتے ہیں یہ بدعت ہے اس لئے کہ یہ بناء الفاسد علی الفاسد کے قبیل سے ہے یعنی ان کا قیام حضور ﷺ کو حاضر وناظر سمجھنے کی وجہ سے ہے اور یہ عقیدہ خود غلط ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ویسے بہت سے علماء کرام اس موضوع پر کام کر چکے ہیں ان کی کتابوں میں تفصیل دیکھ سکتے ہیں فقط۔

۱۱/ذی قعدہ یوم جمعہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۰/اگست ۱۹۸۴ء

احکام یوم الشک

تالیف

حبیب الامت ، عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ یوپی انڈیا

خلیفہ و مجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ

ناشر

مکتبہ الحبیب

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

پیش لفظ

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام ایک ہمہ گیر اور دائمی ''نظام حیات'' ہے اور اس نے اس شان ہمہ گیری اور استمراری حیثیت کی بقا کی خاطر اپنے اندر ایسی وسعت وگنجائش رکھی ہے کہ ہر زمانہ میں اور ہر مقام پر انسانی ضروریات کا ساتھ دے سکے اور کسی منزل پر رہبری سے قاصر نہ رہے۔

مگر جس طرح انسان ترقی کی راہوں پر گامزن ہوتا گیا، اس کی ضرورتیں بھی بڑھتی گئیں اور لامحدود ہوتی چلی گئیں، یہ مسلم ہے کہ انسانی قلب ودماغ نے فضا کو اپنی حکومت میں لے لیا اور اس کی پرواز فضاؤں میں ہونے لگی اور اس سطح ارضی کا سینہ چاک کر کے اس کے خزانے نکال لئے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی جدوجہد وکاوش پیہم شباب پر پہنچ چکی ہے، آئے دن کے نئے ایجادات نے دنیا کی آنکھیں خیرہ کر کے رکھ دی ہیں، مگر یہ یاد رہے کہ انسانوں میں ایک بڑا طبقہ کیا، بلکہ اکثریت ایسی ہے جن کی پرواز مادیت کی فضاء میں تو خوب ہے، مگر جہاں علم وشریعت کی فضا میں آتے ہیں تو ان کی پرواز ختم ہوجاتی ہے اور ایک جمود طاری ہوجاتا ہے اور اپنے عملی طیارہ کے پرواز کے لئے قائد و راہنما کے متلاشی ہوجاتے ہیں۔ ادھر انسانوں کا ایک قافلہ جنہیں علماء کے نام سے یاد

کیا جاتا ہے ان کا قلب و دماغ اس فکر کے دریا میں غوطہ زن رہتا ہے کہ یہ اسلام جو مستقل ایک نظام حیات ہے اس کو کس طرح سہل و آسان بنایا جائے اور کس نہج پر مرتب کیا جائے کہ جاذب نظر و دلکش ہونے کے ساتھ آنے والی نسلیں پریشانیوں سے دوچار نہ ہوں اور کتاب وسنت کی روشنی میں تیز گامی کے ساتھ آگے بڑھ سکیں اور موجودہ عجلت پسند نسلیں اور سہل طلب طبیعتیں تتبع و جستجو کی زحمت سے محفوظ رہیں اور ہر چھوٹا، بڑا، عالم و جاہل، شہری و دیہاتی، ذہین و غبی اس سے بسہولت استفادہ کر سکے۔

اسی نظریہ کے پیش نظر زیر نظر رسالہ ''احکام یوم الشک'' کو انتہائی سہل انداز میں مرتب کیا گیا ہے تا کہ یوم الشک کے وہ تمام جزئیات واحکامات جو سینکڑوں کتب فقہیہ میں منتشر ہیں بوقت ضرورت یکجا مل سکیں۔ آخر میں اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے اور قارئین سے دعاء کی درخواست کرتے ہوئے شیخ سعدیؒ کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

قبا گر حریرست و گر پرنیاں — بناچار حشوش بود درمیاں
تو گر پرنیانی بایذا مکوش — کرم کار فرما و حشوم بپوش

فقط

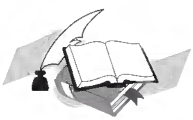

یہ رسالہ اپنی نوعیت کا منفرد ہے

تقریظ برکتہ العصر فخر الاماثل حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم صاحب
سابق ناظم مدرسہ ریاض العلوم گورینی، چوکیہ جونپور، یوپی
خلیفہ ومجاز
حضرت اقدس مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ
وخلیفہ
بقیۃ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

انتیسویں شعبان کو اگر کسی عارض کی بناء پر رویت ہلال تحقق نہ ہو سکے تو اگلا دن ''یوم الشک'' کہلاتا ہے جس کے بارے میں فقہاء نے اصول وضوابط بنا کر مستقل بحث کی ہے۔

آیا اس دن جائز ومستحب سمجھ کر روزہ رکھا جائے یا ناجائز ومکروہ تصور کر کے اس سے گریز کیا جائے۔

چونکہ اس پرفتن اور علم سے بے اعتنائی کے دور میں ''صوم یوم الشک'' کے بارے میں افراط وتفریط کا ذہن بنتا چلا جارہا ہے، اسی کے پیش نظر جناب مولانا مفتی

حبیب اللہ صاحب قاسمی نے اس اہم مسئلہ کے متعلق تمام کتب فقہیہ سے رجوع کر کے انتہائی تحقیق و کاوش کے بعد یہ رسالہ مرتب فرمایا ہے، میرے خیال میں یہ رسالہ اپنی نوعیت کا منفرد ثابت ہوگا، جس میں صوم ''یوم الشک'' کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، افتاء کی ذمہ داری سنبھالنے والے اور دیگر اہل علم حضرات یقیناً اس کی افادیت کا اعتراف کریں گے۔

بدل و جاں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہر ایک کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرماوے کہ صحیح مسئلہ پر عمل، کامیابی و کامرانی کا ضامن ہوتا ہے۔

والله يهدى إلى سواء السبيل

(حضرت مولانا) عبدالحلیم غفرلہ (صاحب مدظلہ)

ناظم مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور

بقلم

(صاحبزادہ محترم مولانا) عبدالعظیم (صاحب) ندوی مظاہری استاذ مدرسہ ہذا

صوم "یوم الشک" کے اقسام

یوم لشک کے روزہ کی سات قسمیں ہیں۔ تین صحیح ہیں مع الکراہت اور تین بلا کراہت صحیح ہیں، اور ایک قسم وہ ہے جو بالکل درست نہیں ہے، یہ ساتوں اقسام بالترتیب بیان کئے جارہے ہیں:

یوم الشک میں روزہ کی پہلی قسم:

یوم الشک میں روزہ رکھے رمضان کی نیت سے اور اس روزہ کو رمضان ہی کا روزہ تصور کرے، بہت سے لوگ احتیاطاً ایسا کر لیتے ہیں، یہ صحیح ہے مع الکراہت، جیسا کہ صاحب "ہدایہ" نے بیان فرمایا ہے، اور دلیل میں ایک روایت پیش کی ہے، فرماتے ہیں:"وهـذه المسألة على وجوه: أحدها أن ينوى صوم رمضان وهـومـكـروه لما روينا (يعنى قول النبى صلى الله عليه وسلم: لايصام اليـوم الـذى يشك فيـه أنـه مـن رمضان إلا تطوعا) و لأنه تشبه بأهل الكتاب، لأنهم زادوا فى مدة صومهم" (۱/۱۹۳)۔

پہلی قسم کے مکروہ ہونے کی وجہ:

اس صورت کے مکروہ ہونے کی وجہ جہاں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہے وہیں تشبہ باہل الکتاب بھی ہے، کیونکہ اہل کتاب کی یہ عادت تھی کہ خداوند قدوس کے مقرر کردہ ایام کے علاوہ اپنی طرف سے ایک دو دن کا اضافہ کرلیا کرتے تھے، اور اس کو بھی وہی درجہ دیتے تھے جو خداوند قدوس کے مقرر کردہ روزوں کا درجہ ہوتا تھا۔

صاحب مجمع و در مختار کی رائے:

اور یہی وجہ شیخ عبدالرحمٰن بن محمد المدعو بشیخ زادہ نے اپنی بے نظیر تصنیف "مجمع الانہر" میں تحریر فرمایا ہے: "وكره صومه أى صوم يوم الشك ناويا عن رمضان لشبهه بأهل الكتاب" (مجمع الانہر ۱/۲۳۵) اور علامہ شامی بھی یہی وجہ لکھتے ہیں: "تحت قول در مختار (ولو جزم أن يكون عن رمضان كره تحريماً) للتشبه بأهل الكتاب، لأنهم زادوا فى صومهم" (۲/۸۸)۔

علامہ اوزجندی کی رائے:

اور امام فخر الدین اوزجندی صاحب "فتاوی قاضی" خان نے ایک اور وجہ بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ اس کے اندر روافض کے ساتھ تشبہ ہے، کیونکہ روافض رمضان کے ایک دن قبل سے روزہ رکھنا شروع کردیتے ہیں۔ اور فطر کے ایک دن پہلے افطار کرلیتے ہیں "ولأن فيه تشبها بالروافض، فإنهم يصومون يوما قبل رمضان و يفطرون يوما قبل الفطر" (فتاوی قاضی خان ۱/۲۰۶)۔

یوم الشک کے روزہ کی دوسری قسم:

یوم الشک میں روزہ رکھے، مگر نیت کسی دوسرے واجب کی ہو، مثلاً قضاء، کفارہ، نذر وغیرہ، یہ بھی مع الکراہت درست ہے، اوراس کی دلیل بھی وہی روایت ہے جو پہلے گزر چکی ہے، یعنی ”لایصام الیوم الذی یشک فیه أنه من رمضان إلا تطوعا“ اوراس صورت میں پہلی صورت کی بہ نسبت کراہت کم درجہ کی ہے، کیونکہ تشبہ باہل الکتاب والروافض سے یہ خالی ہے ”کذا فی الهدایه: والثانی ان ینوی عن واجب آخر وهومکروه أیضا لما روینا إلا أن هذا دون الأول فی الکراهة“ (۱۹۳/۱)

صاحب مجمع الانہر کی رائے:

اوریہی بات صاحب ”مجمع الانہر“ نے بھی تحریر فرمائی: ”تحت قول ملتقی الأبحر (أو عن واجب آخر) لکن الثانی فی الکراهة دون الأول لعدم التشبه بأهل الکتاب“ (۲۳۵/۱) ”وهکذا فی تنویر الأبضار: لو صامه لواجب آخر کره“ (۸۸/۱) ”وهکذا فی فتاوی قاضی خان: و أن نوی واجبا آخر کره لما روینا“ (۲۰۶/۱) ”وهکذا فی مراقی الفلاح: کره فیه أی یوم الشک کل صوم من فرض و واجب و صوم ردد فیه نفل و واجب“ (۳۵۵)۔

یوم الشک کے روزہ کی تیسری قسم:

یوم الشک میں روزہ رکھے بنیت متردده، یعنی صائم کی نیت یہ ہو کہ اگر رمضان کا ثبوت ہو گیا تو یہ روزہ رمضان کا ہے اور اگر رمضان کا ثبوت نہ ہو سکا تو نفل یا واجب آخر، مثلاً قضاء یا نذر وغیرہ کا تو یہ بھی درست ہے، مگر مکروہ ہے۔ ”كذا في مجمع الانهر مع ملتقى الأبحر: و كذا يكره (إن نوى) مترددا بأنه (إن كان) يوم الشك و رمضان فعنه و إلا فعن نفل أو عن واجب آخر“ (۲۳۵/۱)،و هكذا في تنوير الأبصار: (و يصير صائما مع الكراهة لو ردد في وصفها بأن نوى إن كان من رمضان فعنه، و إلا فعن واجب آخر“ (۸۹/۲)”وهكذا في خلاصة الفتاوى، (و إن نوى أن يصوم من رمضان إن كان غدا رمضان وإن كان غداً شعبان فهو صائم عن القضاء أو عن واجب آخر فهو مكروه“ (۲۹۴/۱)”و في فتاوى قاضي خان: إن نوى أن يصوم عن رمضان إن كان غداً من رمضان و إن كان غداً من شعبان فهو صائم عن القضاء أو عن واجب آخر فهو مكروه، لأن كل واحد من النيتين مكروهة“ (۲۰۷/۱)

امام فخر الدین کی رائے:

امام فخر الدین اوزجندی نے وجہ کراہت بھی بیان فرمادی ہے کہ صائم متردد

ہے رمضان اور واجب آخر کے درمیان اور ماسبق کے بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ ''یوم الشک'' میں رمضان کی نیت سے یا واجب آخر کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ جب دونوں مکروہ ہے تو اس کا مجموعہ بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ اور یہ بات معقول بھی ہے کہ جیسے اجزاء ہوتے ہیں ویسا ہی مجموعہ تیار ہوتا ہے اور اس جگہ اجزاء مکروہ ہیں، لہٰذا اس کا مجموعہ یقیناً مکروہ ہوگا۔

صاحب مجمع کی رائے:

اور یہی وجہ صاحب ''مجمع الانہر'' نے بھی لکھی ہے:''فلتردیده بین مکروهین'' اور صاحب ہدایہ نے بھی قدرے تفاوت کے ساتھ یہی وجہ کراہت بیان فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:''والخامس أن يتردد فی وصف النية بأن ينوی إن كان غداً من رمضان يصوم عنه، و إن كان من شعبان فعن واجب آخر، و هذا مكروه لتردده بين أمرين مكروهين'' (۱۹۴/۱)۔

اقسام ثلاثہ کا حکم:

یہ تین صورتیں وہ ہیں جو مع الکراہت صحیح ہیں، یہ بات بھی یہیں سمجھتے چلئے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی، تاکہ بات نکھر کر سامنے آجائے، پہلی صورت مکروہ تحریمی کی ہے، جیسا کہ درمختار کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے،''ولو جزم أن يكون من رمضان كره تحريماً''۔

دوسری قسم کا حکم:

دوسری صورت مکروہ تنزیہی کی ہے، چونکہ اس کو کراہت کے اعتبار سے ''دون الأول'' یعنی اول سے کم درجہ فرمایا ہے اور اول مکروہ تحریمی ہے اور تحریمی کے بعد تنزیہی کا درجہ ہے، لہٰذا ''دون الأول'' سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ ''دون الأول'' فرمانے والے صاحب ہدایہ اور صاحب مجمع الانہر ہیں، لیکن صاحب درمختار نے کراہت تنزیہی کی تصریح کردی ہے ''تحت قول (ولو صامه لواجب آخر كره) تنزيهاً''۔

تیسری قسم کا حکم:

اسی طرح تیسری صورت بھی صرف کراہت تنزیہی کی ہے ''كما صرح به العلامة الشامي تحت قول: (ويصير صائما مع الكراهة) لو ردد في وصفها الخ قوله مع الكراهة أي التنزيهية، لأن كراهة التحريم لا تثبت إلا إذا جزم أنه عن رمضان كما أفاده الشارح سابقا'' (۸۹/۱)۔

اقسام ثلاثہ کا ایک اور حکم:

اس کے بعد یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ان تینوں شکلوں میں اگر بعد میں رمضان کا ثبوت ہوگیا، یعنی ۲۹ر شعبان کی رویت کی تحقیق وتصدیق ہوگئی تو یہ روزہ رمضان کا

ہو جائے گا، مستقل ایک روزہ رمضان کے روزہ کی قضا کے لئے رکھنا ضروری نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ اشکال کرے یا کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ پہلی صورت تو مکروہ تحریمی کی ہے پھر وہ رمضان کا کیسے ہو جائے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ کراہت عارضی ہے اور یہ کراہت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، ورنہ فی نفسہ روزہ منہی عنہ نہیں ہے۔ اور کراہت عارض مانع عن الصحۃ نہیں ہے جیسا کہ ارض مغصوبہ میں نماز ادا کرنا کہ نماز تو فی نفسہ جائز ہے کراہت جو پیدا ہوگئی ہے وہ ایک عارض کی وجہ سے اور وہ غیر کے ملک میں اس کی بغیر رضا کے ادا کرنا ہے بہر حال اس کے باوجود نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اسی طرح یہ روزہ ہے کہ فی نفسہ تو یہ جائز ہے مگر اس کی نیت بصورۃ منہی عنہا ہے جس کی وجہ سے اس میں کراہت آ گئی ہے جو اس کی صحت کے منافی نہیں: "کما صرح به العلامة الشرنبلالی وكراهة الواجب لصورة النهى كصلاته فى أرض الغير وهو دون كراهته على أنه من رمضان لعدم التشبه، وقال العلامة الطحاوى تحت قوله لصورة النهى أى المنهى عنه: يعنى أن صورة الواجب كصورة الغرض للقرب بينهما، فلذا كره ولو ظهرت رمضانيته فى هذه الصورة أجزأه كصلاته فى أرض الغير، قال العلامة الطحاوى تحت هذا القول: فإن الكراهة هنا للعارض المجاور وهو الأداء فى ملك الغير بلا رضاه كما كره الواجب للعارض وهو تصور بصورة

المنهی عنه (۳۵۵) و قال الإمام فخر الدین أوزجندی: و أصل الکراهة لایمنع الجواز کما الصلوة فی الأرض المغصوبة" (فتاوی قاضی خان ۱/۲۰۶)

یوم الشک کا ایک اور حکم:

اور اگر ''یوم الشک'' کو ۲۹ رشعبان کے بارہ میں رویت کی تحقیق نہ ہوسکی تو پھر پہلی صورت میں ''یوم الشک'' کا روزہ نفلی ہوجائے گا اور انشاء اللہ نفلی روزہ کا ثواب ملے گا، اور اگر افطار کرلیا تو قضا لازم نہیں اور اگر بعد میں رویت کی تحقیق ہوجائے اور وہاں کے علماء کرام اس کی تصدیق کردیں تو ایک روزہ بنیت قضاء رمضان رکھنا ضروری ہے اور علماء کرام وفضلاء عظام کے ذمہ اس کا اعلان ضروری ہے۔

"و إن صام ثم ظهر أنه من رمضان أجزأه، و إن ظهر أنه من شعبان كان تطوعا، و إن أفطر لا قضاء عليه، لأنه فی معنی المظنون الخ" (فتاوی قاضیخان: ۱/۲۰۶)

"و فی الهداية: ثم إن ظهر أن اليوم من رمضان يجزيه، لأنه شهد الشهر و صامه، و إن ظهر أنه من شعبان كان تطوعا، و إن أفطر لم يقضه، لأنه فی معنی المظنون" (۱/۱۹۳)

"وفی مجمع الأنهر: و فی عامة المعتبرات إن ظهر أنه من

شعبان، فإن كان نوى رمضان يكون تطوعا، و إن أفطر لا قضاء عليه، لأنه ظان" (۲۳۵/۱)۔

دوسری قسم کا حکم:

اور دوسری صورت میں جس واجب کی ادائیگی کی نیت کی ہے وہ ادا ہو جائے گا۔ اصح قول یہی ہے اگر چہ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ نفل ہو جائے گا واجب ادا نہ ہوگا، مگر یہ قول مفتی بہ نہیں ہے، ترجیح پہلے ہی قول کو حاصل ہے "كذا في مجمع الأنهر: و إن كان نوى واجبا غير رمضان قبل: يكون تطوعاً، لأنه منهي عنه فلا يتأدى به الواجب، و قيل: يجزيه عن الذى نواه و هو الأصح" (۲۳۵/۱)۔

"وفي الهداية: ثم إن ظهر أنه من رمضان يجزيه لوجود أصل النية، و إن ظهر أنه من شعبان فقد قيل: يكون تطوعا، لأنه منهي عنه فلا يتأدى به الواجب، و قيل: يجزيه عن الذى نواه وهو الأصح" (۱۹۴/۱) (و ہکذا فی فتاوی قاضیخاں ۲۰۶/۱)۔

اور تیسری صورت میں واجب ادا نہ ہوگا، البتہ نفل ہو جائے گا۔ "كذا في الهداية: و إن ظهر أنه من شعبان لايجزيه عن واجب آخر الخ لكنه يكون تطوعا الخ و بعد اسطر قال: و إن ظهر أنه من شعبان جاز عن

نفله“ (۱۹۴/۱)”وھکذا فی فتاوی قاضی خان، ومجمع الأنهر، و فی الدر المختار مع تنویر الابصار: فإن ظهر رمضانیته فعنه، و إلا فنفل فیهما أی الواجب والنفل“۔

یوم الشک کے ان روزوں کا بیان جو بلا کراہت درست ہیں:

اب تک تو ان شکلوں کا بیان تھا جو صحیح تو ہیں مگر مکروہ ہیں، اب ان تین صورتوں کو بیان کیا جاتا ہے جو بلا کراہت صحیح ہیں:

یوم الشک کے روزہ کی پہلی قسم:

۱- یہ کہ ”یوم الشک“ میں بنیت نفل روزہ رکھے رمضان یا واجب آخر کا تصور بھی نہ ہو، بلکہ جزم کے ساتھ نفل ہی کی نیت کی ہو یہ بلا کراہت صحیح ہے۔”کذا فی فتاوی قاضیخان: و إن نوی التطوع یوم الشک اختلفوا فی کراهته، و الصحیح أنه لا بأس بذلک لما روی عن علی وعائشة رضی الله عنهما أنهما کانا یصومان یوم الشک“ (۲۰۶/۱)اس صورت کے بلا کراہت صحیح ہونے پر مستدل حضرت علی وعائشہ رضی اللہ عنہما کا عمل ہے، روایات میں آتا ہے کہ یہ حضرات یوم الشک میں نفلی روزہ رکھتے تھے”وفی خلاصة الفتاوی: و إن نوی التطوع یوم الشک الصحیح أنه لا بأس به الخ“ (۲۶۴/۱)۔

یوم الشک کے روزہ کی دوسری قسم:

۲- یہ کہ ”یوم الشک“ میں بنیت شعبان روزہ رکھے، یعنی نیت یہ ہو کہ میں شعبان کے مہینہ کا روزہ رکھتا ہوں، رمضان یا واجب آخر کا خیال وتصور بھی نہ ہو، بلکہ اس پر جزم ہو کہ میں شعبان کے مہینہ کا روزہ رکھتا ہوں یہ بھی بلا کراہت درست ہے۔

یوم الشک کے روزہ کی تیسری قسم:

۳۔ یہ کہ ”یوم الشک“ میں بنیت مطلقہ روزہ رکھے، یعنی نفل یا صوم شہر شعبان کے ساتھ مقید نہ کرے، بلکہ مطلق رکھے اور صرف یہ نیت کرے ”نویت بصوم غد“ کہ کل کے روزہ کی نیت کرتا ہوں، البتہ اس صورت میں بھی رمضان یا واجب آخر کا تصور نہ ہو یا رمضان اور واجب آخر یا نفل کے درمیان متردد نہ ہو، بلکہ اس کے خلاف پر جزم ہو۔

اقسام ثلاثہ کا حکم:

ان تینوں شکلوں میں اگر ۲۹/ شعبان کے چاند کی بعد میں تحقیق ہوگئی تو یہ روزہ رمضان کا شمار ہوجائے گا۔ قضا رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر ۲۹/ شعبان کے چاند کی تحقیق نہیں ہوئی، اور افطار نہیں کیا تو یہ روزہ نفلی ہوجائے گا اور اگر افطار کرلیا تو اس روزہ کی قضا لازم ہے ”لزم النفل بالشروع“ کے ضابطہ سے اور بعد میں

ایک روزہ رکھنا پڑے گا۔"کذا فی خلاصة الفتوی: فإن کان من رمضان کان صائما عنه، و إن ظهر أنه من شعبان کان متطوعا، فإن أفطر فعلیه القضاء" (۱/۲۶۴)و هکذا فی فتاوی قاضیخان: فإن ظهر أنه من رمضان کان صائما عنه، و إن ظهر أنه من شعبان کان متطوعا و إن أفطر کان علیه القضاء، لأنه شرع ملتزما" (۱/۲۰۶،۲۰۷)

یوم الشک کے روزہ کی ایک شکل:

ایک ساتویں شکل یہ ہے کہ ۳۰/شعبان کی شب میں یہ نیت کرے کہ کل اگر رمضان کا چاند ہوگیا تو میں روزہ رکھوں گا ورنہ روزہ نہیں رکھوں گا یہ صحیح نہیں ہے۔اور یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی یہ نیت کرے کہ اگر کل کچھ کھانے کو ملے تو روزہ نہیں رکھوں گا، ورنہ روزہ رکھ لوں گا، اتفاق سے کل ہو کر اس کو کچھ کھانے کو نہیں ملا اور دن بھر بھوکا رہ گیا تو یہ شخص شرعاً روزہ دار نہیں کہلائے گا۔اور اس کا دن بھر بھوکا رہنا روزے میں شمار نہ ہوگا۔

رویت کے ثبوت کے انتظار میں روزہ کا حکم:

اسی طرح اگر کوئی شخص "یوم الشک" میں رویت کے ثبوت کے انتظار میں دوپہر تک بھوکے رہا اتفاق سے دوپہر تک تحقیق نہیں ہوسکی تو تمام لوگوں نے افطار کرلیا اور یہ شخص مذکورہ بالا نیت کے ساتھ پورے دن بھوکے رہ گیا تو یہ صائم نہیں کہلائے گا جس کا ثمرہ یہ برآمد ہوگا کہ اگر بعد میں ۲۹/کی رویت کی تحقیق ہوجائے تو اس شخص کو

بھی ایک روزہ کی قضاء رکھنی ہوگی، بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے جزم کے ساتھ نفل کی نیت کی ہو اور دوپہر کے بعد افطار نہ کیا ہو تو یہ شرعاً صائم کہلائیں گے اور ان کا یہ ایک روزہ ان کے ذمہ قضا عائد نہیں ہونے دے گا، بلکہ یہی کفایت کرجائے گا، نفل مبدل برمضان ہوجائے گا۔" (ولیس بصائم) لو ردد فی أصل النیة بأن (نوی أن یصوم غدا إن کان من رمضان و إلا فلا) أصوم لعدم الجزم (کما) أنه لیس بصائم (لو نوی أنه لم یجد غدا فهو صائم، و إلا ففطر الخ تنویر الابصار مع الدر المختار (۸۹/۲) و فی خلاصة الفتاوی: و إن نوی أن یصوم من رمضان إن کان غدا رمضان، و إن کان غدا شعبان فغیر صائم لم یکن صائما" (۲۶۴/۱)۔

"و فی ملتقی الأبحر: و إن قال: إن کان رمضان فأنا صائم عنه و إلا فلا، لایصح ولو ثبت رمضانیته ولا یصیر صائماً" (۲۳۵/۱، وهكذا فی فتاوی قاضیخاں ۲۰۷/۱، وہدایہ ۱۹۴/۱)۔

یوم الشک کے روزہ کی کل قسمیں:

"یوم الشک" کے روزہ کی یہ کل سات شکلیں ہیں جو مع احکامات بالتفصیل آچکے ہیں، اگرچہ دوسرے بعض حضرات اس سے کم شکلیں بھی بیان کرتے ہیں، مگر کتب فقہ کو بنظر غائر دیکھنے کے بعد یہی سات شکلیں نکلتی ہیں۔

''یوم الشک''میں روزہ رکھنا افضل ہے یا افطار

اس کے بعد یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ''یوم الشک'' میں روزہ رکھنا افضل ہے یا روزہ نہ رکھنا، اگر روزہ رکھنا افضل ہے تو اس میں تعمیم ہے یا تخصیص؟ اگر تخصیص ہے تو مخصوص حضرات کون ہیں اور وجہ تخصیص کیا ہے؟

جو لوگ ہفتہ میں دو روزہ یعنی پیر و جمعرات کا رکھنے کے عادی ہیں یا ہر مہینہ کے اخیر میں تین دن یا اس سے زائد روزہ رکھنے کا معمول ہے۔

چونکہ ہر مہینہ کے اخیر تین دن کے روزہ کی فضیلت حدیث پاک میں موجود ہے، اس لئے حسب وسعت اس کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، بخاری و مسلم میں ایک روایت ہے جس کے راوی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ کیا تم نے شعبان کے اخیر تین دن کے روزے رکھے انہوں نے عرض کیا نہیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم نے افطار کرلیا تو اس کی جگہ پر ایک دن کا روزہ رکھو!''ما أخرجه الشيخان عن عمار بن ياسر رضي الله عنه أنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لرجل: هل صمت من شهر شعبان؟ قال لا، قال: إذا افطرت فصم يوما مكانه'' (شامی ۲/۸۸، وفتح القدیر ۳/۵۵)''وفي فتح القدير: سرار الشهر آخره سمي به لاستمرار القمر فيه قاله المنذري وغيره،

و اعلم أن السرار قد يقال على الثلاث الأخيرة من ليالى الشهر الخ“ (و ہکذا فی الشامی ۲/۸۸) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس طرح ہر مہینہ کے اواخر میں روزہ رکھنا مستحب ہے تا کہ مہینہ کا اختتام عبادت پر ہو اسی طرح ماہ شعبان کے اواخر میں بھی روزہ رکھنا مستحب ہے تا کہ ماہ شعبان کا اختتام بھی عبادت پر ہو جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے بھی اس کی تصریح کی ہے: ”ويصير حديث السرر للاستحباب، و لأن المعنى الذى يعقل فيه هو أن يختم شعبان بالعبادة كما يستحب ذلک فی كل شهر فهو بيان أن هذاالأمر وهو ختم الشهر بعبادة الصوم لا يختص بغير شعبان كما قد يتوهم بسبب اتصال الصوم الواجب به“ (فتح القدیر ۳/۵۵)۔

ایام عبادت میں یوم الشک آنے کا حکم:

اگر انہیں ایام میں سے کسی دن ۳۰/ شعبان (یوم الشک) پڑ جائے تو حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کے لئے یوم الشک کو بھی روزہ رکھنا افضل ہے۔ ”والتنفل فيه أحب أى أفضل اتفاقا إن وافق صوما يعتاده أو صام من آخر شعبان ثلاثة فأكثر لا أقل“ (تنویر الأبصار مع الدرالمختار ۳/۸۸)۔

”وفى فتح القدير: و ظاهر الكافى خلافه قال: إن وافق يعنى يوم لاشک صوما أن يصومه فالصوم أفضل و كذا إذا صام كله

أو نصفه أو ثلاثة من آخره" (۵۴/۳)۔

"وقال الإمام علاء الدین الکاسانی فی تصنیفہ "بدائع الصنائع" و منها أن یستقبل الشهر بیوم أو یومین بأن تعمد ذلک، فإن وافق ذلک صوما کان یصومه قبل ذلک فلا بأس به لما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال: لا تتقدموا الشهر بیوم ولا بیومین إلا أن یوافق ذلک صوما کان یصومه أحدکم و لأن استقبال الشهر بیوم أو بیومین یوهم الزیادة علی الشهر ولا کذلک إذا وافق صوما کان یوم قبل ذلک، لأنه لم یستقبل الشهر و لیس فیه و هم الزیادة" (۷۹/۳)۔

ایام عادت میں عوام وخواص برابر ہیں:

اور اس کے اندر خواص وعوام دونوں داخل ہیں۔یعنی کسی خاص دن کے روزہ رکھنے کا معمول چاہے خواص کا ہو چاہے عوام کا، بہرحال جب معمول ہے اور اسی دن "یوم الشک" پڑ گیا تو دونوں کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے"کما صرح به صاحب مجمع الأنهر: و هو أی الصوم (أحب إن وافق) صومه من الخواص و العوام صوما یعتاده" (مجمع الأنہر مع ملتقی الأبحر ۲۳۴/۱)۔

باقی رہے وہ حضرات جو کسی خاص دن کا روزہ رکھنے کے عادی نہیں ہیں اور نہ مہینوں کے آخری ایام کے روزوں کا اہتمام کرتے ہیں یہ دو قسم کے ہیں: ۱-

خواص،۲-عوام۔

خواص کا حکم:

خواص کے لئے یہ حکم ہے کہ ''یوم الشک'' میں بنیت نفل روزہ رکھ لیں، چاند کے ثبوت وعدم ثبوت کا انتظار نہ کریں، جیسا کہ علامہ شامی نے ''ہدایہ، محیط، خانیہ'' کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے: ''لکن فی الهداية و المحيط والخانية و غيرها أن المختار أن يصوم المفتی بنفسه أخذا بالاحتياط و يفتی العامة بالتلوم إلی وقت الزوال، ثم بالافطار، والتلوم الانتظار كما في المغرب'' (۸۹/۲)، نیز خواص اس طریقہ پر روزہ رکھیں کہ عوام کو معلوم نہ ہوتا کہ عوام اس کے عادی نہ ہوں، ورنہ جہلاء اس روزہ کو بھی رمضان ہی کا روزہ سمجھ کر رکھنا شروع کردیں گے اور اسی انداز سے اہتمام کرنے لگیں گے جس کی ممانعت مصرح ہے ''كما صرح به العلامة الشامی ناقلا عن التحفة، قال فی الفتح: و قيده فی التحفة بكونه علی وجه لايعلم العوام ذلک كيلا يعتادوا صومه فيظنه الجهال زيادة علی رمضان''۔

حضرت امام ابو یوسف کا واقعہ:

علامہ شامی نے حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے ایک واقعہ کا حوالہ بھی دیا ہے جس کی تفصیل علامہ طحطاوی نے ذکر کی ہے راوی اسد بن عمر ہیں وہ کہتے ہیں کہ

میں ۳۰ ؍شعبان (یوم الشک) کو باب الرشید پر آیا، اتفاق سے قاضی ابو یوسف بھی وہاں پہنچ گئے اس حال میں کہ آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے اور کالا جوتا پہنے ہوئے اور سیاہ گھوڑے پر سوار تھے، غرضیکہ پورے بدن پر داڑھی کے علاوہ تمام چیزیں سیاہ تھیں اور لوگوں کو افطار کا حکم دیا تو میں نے قاضی ابو یوسف سے پوچھا کہ آپ روزہ ہیں یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا میرے پاس آؤ، میں قریب گیا تو میرے کان میں چپکے سے فرمایا: ’’إنی صائم‘‘ میں روزہ دار ہوں، (انتہی طحطاوی ۳۵۶، وفتح القدیر وشامی ۱۸۹/۲ اجمالا، ومجمع الأنہر ۱/۲۳۴ اجمالا)۔

’’یوم الشک‘‘ میں مفتی کی ذمہ داری

غرضیکہ ’’یوم الشک‘‘ میں خواص تو روزہ رکھیں مگر عوام انتظار کے بعد افطار کرلیں روزہ نہ رکھیں، اور مفتی وقاضی کو چاہئے کہ اونچی جگہوں پر اور بازاروں میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اعلان کرادیں اور حکم کردیں کہ عوام بلانیت صوم دوپہر تک چاند کے ثبوت کا انتظار کریں جب زوال کا وقت ختم ہوجائے، یعنی جب نیت کرنے کا وقت باقی نہ رہے تو افطار کرلیں اگر چاند کا ثبوت نہ ہوسکے، اور اگر چاند کا ثبوت ہوجائے تو رمضان کے روزہ کی نیت کرلیں ’’کما صرح به العلامة الشرنبلالی: والمختار أن يأمر المفتی العامة باظهار النداء بالتلوم أی بالانتظار بلانية صوم فی ابتداء يوم الشک محافظة علی إمكان أداء الفرض

بإنشاء النية بظهور الحال فی وقتها، ثم یأمر الامة بالافطار إذا ذهب وقت إنشاء النية و عند مجئ الضحوة الكبرى الخ (مراقی الفلاح مع نور الإیضاح ۳۵٦)وقال العلامة الطحطاوی تحت قوله بإظهار النداء: و یظهر النداء فی الاسواق و المنارات كما فی الشرح، و قال صاحب ملتقى الأبحر: یفطر غیرهم بعد نصف النهار" (۲۳۴/۱)۔

حاصل یہ کہ خواص کے لئے یہ حکم ہے کہ بلا انتظار چپکے سے نفلی روزہ کی نیت کرلیں۔

امام اوزجندی کی رائے:

امام فخر الدین اوزجندی نے خواص کے لئے بھی ''یوم الشک'' کے روزہ کو افضل قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:"قال مولانا رضی الله عنه: هذا إذا لم یکن قاضیا أو مفتیا فإن كان فالأفضل له أن یصوم عن التطوع بنفسه و خاصته، و یفتی العامة بالتلوم والانتظار إلى وقت الزوال مروی ذلک عن أبی یوسف رحمة الله تعالیٰ" (فتاوی قاضی خان ۲۰۷/۱)۔

حضرت تھانوی کی رائے:

اور حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ خواص کو چاہئے کہ اس روزہ کی اطلاع عوام کو نہ کریں، پوچھنے پر بھی

ٹال دیں یا انکار کردیں اور ایسا جو د مذموم نہیں (امداد الفتاوی ۸۲/۲) اور اس اخفاء کی تائید حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے عمل سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ واقعہ ابھی گزرا ہے۔

خواص سے مراد کون ہیں:

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خواص کا اطلاق کن کن حضرات پر ہوتا ہے، امام برہان الدین مرغینانی نے مفتی کی تصریح کی ہے فرماتے ہیں: "**والمختار أن يصوم المفتي بنفسه اخذا بالاحتياط الخ**" (ہدایہ ۱۹۴/۱) مگر امام فخر الدین اوزجندی نے مفتی کے ساتھ قاضی کی بھی تصریح کی ہے (کذا فی فتاوی قاضی خاں) اور یہی رائے علامہ ابن عابدین کی بھی ہے "**فعامة المشائخ على أن ينبغي للقضاة والمفتين أن يصوموا تطوعا الخ**" شامی اور امام طاہر بخاری نے بھی خواص میں قاضی و مفتی ہی کو لیا ہے (کذا فی خلاصۃ الفتاوی) مگر عبد الرحمٰن بن محمد المشہور بشیخ زادہ نے علماء کو بھی خواص میں داخل فرمایا ہے، جیسا کہ مجمع الانہر میں مصرح ہے۔

قاضی، مفتی کے علاوہ جو یوم الشک کے روزہ کی کیفیت جانتا ہو وہ بھی خواص میں داخل ہیں:

علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں اور علامہ علاؤ الدین حصکفی نے "در

مختار'' میں اور علامہ شرنبلالی نے ''مراقی الفلاح'' میں اسی طرح امام شیخ زادہ نے ''مجمع الانہر'' میں مفتی و قاضی و علماء کے علاوہ ہر اس شخص کے بارے میں خواص ہونے کی تصریح کی ہے جو''یوم الشک'' کے روزہ کی کیفیت جانتا ہو، نیت جانتا ہو، نفس کو تردید فی النیۃ سے روکنے پر قادر ہو اور جزم کے ساتھ نفل کی نیت کرسکتا ہو''وکل من علم کیفیة صوم یوم الشک فهو من الخواص و إلا فمن العوام، والذين يعلمون نيته و هي أن يقصد التطوع بنية المطلق أو بنية النفل بلا قصد رمضان، قوله: المفتي ليس بقيد بل كل من كان من الخاصة و هو من يتمكن من ضبط نفسه عن الاضجاع في النية و ملاحظة كونه عن الفرض إن كان غدا من رمضان''۔

غرضیکہ مذکورہ بالا حضرات خواص میں داخل ہیں اس کے علاوہ سب عوام میں داخل ہیں۔

عوام کے لئے حکم:

اور عوام کے لئے حکم یہ ہے کہ بغیر روزہ کی نیت کے نصف النہار تک چاند کے ثبوت کے منتظر رہیں، اگر چاند کی تحقیق ہوجائے اور شرعی ضابطہ کے مطابق ثبوت بہم پہنچ جائے، تو رمضان کے روزہ کی نیت کرلیں، اگر دوپہر تک چاند کا ثبوت نہیں مل سکا تو کچھ کھاپی لیں۔ دن بھر بھوکے نہ رہیں کہ اس طرح بھوکا رہنے سے کوئی ثواب

نہیں ملے گا۔اور بعد میں اگر ۲۹ رشعبان کی رویت کی تحقیق ہوگئی اور ۲۹ رکا چاند مان لیا گیا تو ایک روزہ قضا رکھنا پڑے گا۔

''یوم الشک'' کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''یوم الشک'' میں صبح کرو مفطر و متلوم کی حالت میں، یعنی بغیر کچھ کھائے پئے بھوکے ہونے کی حالت میں اور بغیر روزہ کی نیت کے۔'' (**کذا فی بدائع الصنائع ۲/۷۸، ۷۹) ''وقال بعضهم: ينتظر فلا يصوم ولا يفطر فإن تبين قبل الزوال أنه من رمضان عزم على الصوم، و إن لم يتبين أفطر لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: أصبحوا يوم الشك مفطرين متلومين أى غير أكلين ولا عازمين على الصوم و هكذا فى مجمع الأنهر (۲۲۴/۱)**۔

اگر اس علاقہ میں کوئی مفتی یا عالم ہو تو اس سے معلوم کرکے اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اپنی رائے چلانے اور اس پر عمل کرنے سے بڑا نقصان ہوتا ہے اس کا خیال رکھنا چاہیئے۔

چند روایتوں میں تطبیق:

اس کے بعد یہ بات بھی محل غور ہے کہ ''یوم الشک'' کے سلسلہ میں چند روایتیں ملتی ہیں جو بادی النظر میں ایک دوسرے کے متعارض ہیں اس میں تطبیق کی کیا

شکل ہوگی، مثلاً ایک روایت ایسی ہے جس سے ’’یوم الشک‘‘ میں روزہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے ’’من صام یوم الشک فقد عصی أبا القاسم‘‘ (کذا فی فتح القدیر ومجمع الأنھر)‘‘ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے یوم الشک میں روزہ رکھا تحقیق کہ اس نے ابوالقاسم یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

اسی طرح دوسری روایت ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

اس کے بالمقابل ایک تیسری روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سوال فرمایا کہ تم نے سرر شعبان کا روزہ رکھا یا نہیں؟ تو جواب دیا نہیں، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس کی جگہ پر ایک دن کا روزہ رکھو۔ ’’أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانُ عَنْ عِمَادِ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ: هَلْ صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ: قَالَ لَا، قَالَ: إِذَا أَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمًا مَكَانَهُ‘‘ (کذا فی رد المحتار) غرضیکہ یہ تین قسم کی روایتیں ہیں یہ صحیح ہیں یا نہیں؟ اگر صحیح ہیں تو پھر تطبیق کی کیا شکل ہوگی۔

تو پہلی روایت: ’’من صام یوم الشک فقد عصی أبا القاسم‘‘ کے بارہ میں علامہ سید احمد طحطاوی اور شیخ عبدالرحمٰن بن محمد المدعو بشیخ زادہ اور علامہ علاؤ الدین حصکفی نے فرمادیا: ’’لا أصل لہ‘‘ کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے اور ان حضرات نے یہ

’’تبیین وزیلعی‘‘ کے حوالہ سے فرمایا ہے (طحطاوی ۳۵۵، مجمع الانہر ۱/۲۳۴ درمختار ۲/۸۸) لیکن علامہ شامی اور ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ ثابت ہے مگر حضرت عمار بن یاسر پر موقوف ہے مرفوع نہیں ہے، اور امام ترمذی نے صلہ بن زفر سے نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے’’ کذافی الشامی ۲/۸۹ وفتح القدیر ۲/۵۵’’عن صلة بن زفر قال: كنا عند عمار في اليوم الذي يشك فيه يأتي بشاة مصلية فتنحى بعض القوم، فقال عمار: من صام هذا اليوم فقد عصى أبا القاسم‘‘ بہرحال علامہ شامی و ابن ہمام کی تحقیق کی بنیاد پر یہ روایت متعارض ہوجائے گی حدیث سرر کے، اسی وجہ سے ابن ہمام نے آگے چل کر فرمایا ہے کہ حدیث تقدم اور ’’فقد عصی أبا القاسم‘‘ میں جو ممانعت ہے وہ محمول ہے صوم بنیۃ رمضان پر، یعنی ان روایات میں’’یوم الشک‘‘ میں روزہ رکھنے کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ کوئی رمضان کی نیت سے روزہ رکھے اور اگر کوئی نفلی روزہ رکھتا ہے تو اس کی ممانعت اس روایت میں نہیں ہے اور ممانعت کا پہلو یہ نہیں ہے:’’و كل ما وافق حديث التقدم في منعه كحديث إكمال العدة فهو مثله فيوجب حمله على صومه بقصد رمضان، لأن صومه تطوعا، إكمال العدة شعبان، وحديث عمار بن ياسر و ابن عباس رضي الله عنهم بتقدير تسلمية موقوف لايعارض به حديث السرر، و الأولى حمله على إرادة صومه عن رمضان و كأنه فهم من الرجل المتنحي قصد ذلك فلاتعارض حينئذ

أصلا" (فتح القدیر۳/۵۵)۔

"قال الإمام فخر الدين أوزجندى: و قوله عليه الصلاة والسلام: من صام يوم الشک فقد عصى ابا القاسم محمول على صوم الفرض" (فتاوی قاضی خان:۱/۲۰۶)۔

"وقال العلامة الشرنبلالی بعد نقل حديث السرر: لما كان معارضا، نهى التقدم بصيام يوم أو يومين حمل التقدم على نية الفرض، و حديث السرر على استحبابه نفلا، لأن المعنى الذی يعقل فيه ختم شعبان بالعبادة كما يستحب ذلک فی كل شهر" (مراقی الفلاح ۳۵۷)

"وقال العلامة الشامی: قال فی الفتح: و كأنه فهم من الرجل المتنحی أنه قصد صومه عن رمضان فلا يعارض مامر، و هذا بعد حمله على السماع عن النبی صلى الله عليه وسلم والله سبحانه أعلم" (رواه المختار ۲/۸۹) و قال صاحب الهداية: والمراد بقوله صلى الله عليه وسلم لا تتقدموا رمضان بصوم يوم ولا بصوم يومين، الحديث نهى التقدم يوم رمضان، لأنه يؤديه قبل أو أنه، ثم إن وافق صوما كان يصومه، فالصوم أفضل بالاجماع" (ہدایہ۱/۱۹۴)۔

"وقال العلامة ابن نجيم بعد نقل حديث التقدم: و إنما كره خوفا من أن يظن أنه زيادة على رمضان إذا اعتاد ذلک" (بحر الرائق۲/۲۶۵)۔

غرضیکہ یوم الشک میں روزہ مطلقا ممنوع نہیں ہے، بلکہ بنیت رمضان روزہ رکھنا ممنوع ہے اورحدیث "من صام یوم الشک فقد عصی أبا القاسم" میں جو ممانعت ہے وہ بنیت رمضان ہی کی ہے نفل کی نہیں۔ چونکہ حضرت عائشہ وحضرت علی رضی اللہ عنہا ''یوم الشک'' میں بنیت نفل روزہ رکھتے تھے، جیسا کہ امام علاؤ الدین کاسانی نے تصریح کی ہے:"قال بعضهم: الأفضل أن يصوم لما روى عن عائشة و على رضى الله عنهما: أنهما كانا يصومان يوم الشك بنية التطوع و يقولان: لأن تصوم يوما من شعبان أحب إلينا من أن تفطر يوما من رمضان الخ" (بدائع الصنائع ۲/۱۷۸)، اگر بنیت تطوع بھی ممنوع ہوتا تو یہ حضرات نہ رکھتے، نیز آگے چل کر امام علاؤ الدین کاسانی فرماتے ہیں:"وقد روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصل شعبان برمضان و منها صوم الوصال الخ" (بدائع ۲/۱۷۹) اگر روایت میں بنیت نفل کی بھی ممانعت مقصود ہوتی تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں وصل فرماتے، معلوم ہوا کہ بنیت نفل کی ممانعت نہیں جیسا کہ حضرات فقہاء کرام نے بھی تصریح کی ہے۔

خلاصۂ کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ جو لوگ عادی ہیں اوران کا معمول ہے کہ ہفتہ میں دو روزہ رکھتے ہیں یا مہینے کے آخری اُیام میں روزہ رکھتے ہیں اور انہیں ایام میں ''یوم الشک'' پڑ گیا

تو ان لوگوں کے حق میں مطلقا کراہت نہیں ہے، یہ حسب معمول اپنا بنیت نفل روزہ رکھیں، اور جو لوگ عادی نہیں ہیں اور کسی خاص دن روزہ رکھنے کا معمول نہیں ہے وہ اگر شعبان کے آخری تین چار دن کے روزے رکھیں بنیت نفل تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے اور اگر صرف ایک یا دو دن روزہ رکھیں اس سے زائد نہیں تو یہ مکروہ ہے، مگر اس صورت میں جب کہ بنیت رمضان ہو اور اس کو رمضان ہی کا روزہ تصور کرتے ہوں اور صرف یوم الشک کا روزہ بنیت نفل مطلقا مکروہ نہیں ہے، البتہ بنیت واجب مثلاً قضا کفارہ ونذر وغیرہ یا ”بنية مترددة بين الفرض والنفل يا بين الواجب والنفل يا بنية رمضان يوم الشک“ میں روزہ رکھنا مکروہ ہے جس کی تفصیل اس رسالہ کے اوائل میں مذکور ہے۔

”وقال العلامة ابن نجيم: فالحاصل أن من له عادة فلا كراهة مطلقا و من ليس له عادة فلا كراهة فى التقدم بثلاثة فأكثر ويكره فى اليوم واليومين و أما صوم الشک فلا يكره بينة التطوع مطلقا“ (البحرالرائق ۲/۲۶۵)۔

فقط

يلوح الخط فى القرطاس دهرا
و كاتبه رميم فى التراب

العبد حبیب اللہ القاسمی

۹/ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ یوم الخمیس

حبیب الفتاویٰ

حبیب الفتاویٰ

حبیب الفتاویٰ

حبیب الفتاویٰ

المساعی المشکورة

فی الدعاء بعد المکتوبة

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

پیش لفظ

اس قسم کے رسائل کی تالیف وتصنیف کا سلسلہ ایک زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے جن میں مسئلہ واحدہ کی تحقیق وتوضیح اس طور پر کی گئی ہو کہ اس مسئلہ کا مالہ وما علیہ اور اس کے جملہ متعلقات کا مواد ایک مرتب انداز اور حسین شکل میں جمع ہو جائے اور اس کا ثبوت عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وعہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارکہ کے ان زریں احکامات سے ہوتا ہے جن میں کسی خاص مسئلہ کو بالتفصیل قلمبند فرما کر عاملین کے پاس ارسال کیا گیا، اور بعد کے محبین ومخلصین نے اسے اپنا لائحہ عمل بنایا، چنانچہ جب نظر تتبع ڈالی جاتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ''کتاب الصدقہ'' جو آپ نے عاملین کے پاس ارسال فرمانے کے لئے حیات مبارکہ کے آخری لمحات میں قلمبند کروائی تھی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسالہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین روانہ کرتے وقت تحریر فرما کر عنایت کیا تھا، امر مذکور کی بین شاہد ہے۔ صحابہ کرام و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پرسکون زمانہ مبارکہ کے بعد انقلابات پیدا ہونے شروع ہوئے جس کی وجہ سے نئے نئے حالات وخیالات، افکار کا رونما ہونا امر بدیہی تھا جس کی وجہ سے ایسے رسائل کی احتیاج وضرورت میں روز

افزوں اضافہ ہوتا گیا جس کے ذریعے صحیح اور فاسد میں امتیاز کرایا جاسکے۔

اور بفضلہٖ تعالیٰ اس ضرورت شدیدہ کو پورا کرنے کے لئے ہر دور میں ایسے علماء واکابر، اتقیاء وافاضل کمربستہ رہے، اور امت کے سفینہ کو ظلمت وگمراہی کے تلاطم سے بچا کر نور ہدایت کے ساحل سے ہمکنار کیا، غرض کہ اس طرح متعدد ومختلف مسائل فقہیہ پر ہر زمانہ میں بے شمار رسائل لکھے گئے، اور اس کی نافعیت وافادیت کو محسوس کرتے ہوئے ایسے رسائل کے متعدد مجموعے شائع بھی کئے گئے، جیسا کہ رسائل حضرت مولانا عبدالحیؒ علیہ الرحمہ، رسائل حضرت اقدس تھانوی سرہ، رسائل مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، رسائل ابن عابدینؒ اور رسائل ابن نجیمؒ وغیرہ ذلک اسی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔ اس انداز کے رسالے اس اعتبار سے انتہائی گراں قدر، وقابل اعتناء، وجاذب نظر اور مفید ہوتے ہیں کہ ان میں مؤلف ومرتب ذہنی یکجہتی ویکسوئی کے ساتھ صرف ایک مسئلہ کو مطمح نظر رکھ کر اپنی تحقیق کا محور بناتا ہے اور حتی المقدور ان تمام کتابوں کو زیر نظر رکھتا ہے جن میں مسئلہ مبحوث عنہا کے متعلق مواد ملنے کا ادنی احتمال بھی نظر آتا ہے، پھر مرتب اپنی کاوش پیہم وسعی مکمل اور پوری تحقیقی صلاحیت اور نظر وفکر، کسب واکتساب کے تمام اسالیب بروئے کار لاکر اپنی کاوش کا نچوڑ مختصر رسالہ میں جمع کردیتا ہے۔ اس پرفتن دور میں جب کہ ہر طرف مسلمان قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں، نئے نئے فرقوں کا وجود آئے دن ہوتا رہتا ہے، جس سے نئے نئے مسائل جنم لے کر پیچیدگی کا سبب بن جاتے ہیں، اور ان نئے نئے مسائل سے

عوام کشمکش میں مبتلا ہوکر بعض اسے ترک کر بیٹھتے ہیں، اور بعض اختلاف ونزاع کی صورت پیدا کردیتے ہیں، اور بعض علماء کے وقار کو یہ کہہ کر مجروح کرنے لگتے ہیں کہ ان کا کام ہی یہی ہے کوئی بدعت کہتا ہے، کوئی مستحب کہتا ہے، کس کو مانیں، چنانچہ اس دور کے ایک عالم مفتی فیض اللہ صاحب بنگلہ دیشی نے ایک رسالہ شائع کیا جس کے اندر فرائض کے بعد امام ومقتدی کے اجتماعی دعاء کو بدعت سیئہ ثابت کر کے عوام میں اختلاف وکشیدگی پیدا کردی ہے اور ایک عجیب کشمکش کے اندر عوام کو مبتلا کردیا ہے، چنانچہ اس کے متعلق ایک استفتاء مدرسہ ہذا کے دارالافتاء میں آیا راقم السطور نے بنظر غائر ان کے مستدلات دیکھے، پڑھے اور حوالوں کا بھی تجزیہ کیا مگر کہیں سے بھی مفتی صاحب موصوف کی تائید نہیں ہوسکی بخلاف اس کے استحباب کا ثبوت ملا، بہرحال اس کا جواب اپنی بضاعت کے مطابق لکھا جو کہ کافی طویل ہوگیا، جس کے اندر اکثر وبیشتر مفتی صاحب کی غلطیوں اور تسامحات کو قلمبند کیا گیا ہے جس کے ضمن میں مسئلہ مبحوثہ عنہا کا اثباتی پہلو بھی بقدر کفایت آ گیا ہے میں اس سلسلہ میں اپنے محسن وکرم فرما حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم ناظم مدرسہ ہذا مجاز حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اور برکتہ العصر بقیۃ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ادام اللہ ظلالہ مہاجر مدنی وحضرت مولانا محمد حنیف صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا کا مشکور ہوں کہ ان حضرات نے اس کی تصدیق وتائید فرمائی اور راقم الحروف کے چند سطور کو جامہ قبولیت پہنایا اور افادہ عام کی خاطر اس کی اشاعت کا حکم فرمایا، چنانچہ

سوال و جواب مع تصدیق وتصویب شائع ہو رہا ہے۔ امید کہ یہ چند سطور عوام کو نزاع و کشیدگی اور اختلاف کی خلیج سے نکالنے کا ذریعہ ثابت ہوگی اور صحیح راہ کے تعین میں تردد باقی نہ رہے گا۔ بس دعاء ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ اور نجات اخروی کا ذریعہ بنائے۔

فقط

یلوح الخط فی القرطاس دهراً، و کاتبه رمیم فی التراب

العبد حبیب اللہ القاسمی

خادم دارالافتاء مدرسہ ریاض العلوم

گورینی، چوکیہ، جونپور

۲۱/صفر ۱۴۰۱ھ

یہ ناکارہ دعاء گو ہے اللہ آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے

مکتوب قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نورہ اللہ مرقدہ، مہاجر مدنی

باسمہ سبحانہ

عنایت فرمایم سلمہ بعد سلام مسنون، عزیز مولوی نجیب اللہ سلمہ نے آپ کی کتاب دی میں اپنے امراض کی کثرت، دوران سر نیز نیند نہ آنے کی وجہ سے دماغی کام کا نہیں رہا، میں نے مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کو آپ کی کتاب دی اور ان کو غور سے کتابوں سے مراجعت کے بعد لکھنے کو کہا، انہوں نے لکھ کر دیا ہے جو بہت کافی و وافی ہے یہ ناکارہ دعا کرتا ہے اللہ جل شانہ آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے، مکارہ سے محفوظ فرمائے۔

فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی مہاجر مدنی

بقلم نجیب اللہ ۲۱/اپریل ۱۹۸۱ء

جو جامعیت رسالہ ہذا میں نظر آئی وہ کسی رسالہ میں نہیں دیکھا

مکتوب حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مدظلہ العالی بلند شہری مقیم حال مدینہ طیبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

فاضل نوجوان مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی مفتی مدرسہ ریاض العلوم گورینی، چوکیہ ضلع جونپور ہند کا رسالہ المساعی المشکورہ نظر سے گزرا، موصوف نے ماشاء اللہ سلیقہ مندی سے مسئلہ مجوث فیہا پر خوب کلام کیا ہے اور ضروری روایت و عبارات جمع کی ہیں، اس موضوع پر اس سے پہلے بھی بعض رسائل نظر سے گزرے لیکن اختصار کے ساتھ جو جامعیت رسالہ ہذا میں نظر آئی کسی اور رسالہ میں نظر سے نہیں گزری، موصوف نے دعا بعد المکتوبہ کے استحباب کے خلاف راہ اختیار کرنے والوں کے دلائل کا مسکت جواب بھی دیا ہے جعل اللہ سعیہ مشکورا۔

یہ رسالہ در حقیقت ایک استفتاء کا جواب ہے مستفتی نے استحباب کے مخالفین کے دلائل کا حوالہ دیتے ہوئے بذل المجہود ۱۳۸/۳ طبع سہارنپور کی مندرجہ ذیل عبارت بھی نقل کی ہے، وأما ما یفعله بعض العوام من رفع الیدین فی الدعاء عند دعاء جماعة من

ائمۃ الشافعیۃ والحنفیۃ بعد الصلوۃ فلا وجہ لہ، مفتی صاحب موصوف نے اس عبارت کی طرف توجہ نہیں فرمائی احقر نے بذل المجہود صفحہ مذکورہ دیکھا تو عبارت اسی طرح پائی جس طرح استفتاء میں نقل کی ہے۔

لیکن مزید تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ عبارت ملا علی قاری کی ''لباب المناسک'' کی شرح سے لی ہے اوپر ملا علی قاریؒ نے رفع الیدین فی الدعا عند رویۃ البیت پر بحث کی ہے اور آخر میں مذکورہ عبارت لکھی ہے لیکن ان کی عبارت میں فی الدعا نہیں ہے بلکہ فی الطّواف ہے بذل المجہود میں کاتب کی غلطی سے فی الطّواف کی جگہ فی الدعاء چھپ گیا ہے، پوری عبارت یوں ہے:''و أما ما يفعله بعض العوام من رفع اليدين في الطواف عند دعاء جماعة من الأئمة الشافعية و الحنفية بعد الصلوة فلا وجه له ولا عبرة بما جوزه ابن حجر المكي و قد بلغني أن العلامة البرهمطوشي كان يزجر من يرفع يديه في الدعاء في الطواف ۸۷۔اس عبارت میں طواف کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو عوام کا فعل بتایا گیا ہے نمازوں کے بعد امام اور مقتدی جو اجتماعی طور پر دعاء کرتے ہیں اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں، البتہ لفظ بعد الصلوۃ عبارت میں موجود ہے، لیکن لفظ بعد الصلوۃ کو دیکھنا اور فی الطّواف کو نہ دیکھنا صریح مکابرہ اور عناد ہے، ملا علی قاری کی عبارت کا مطلب سمجھنے کے لئے اول یہ جاننا چاہئے کہ موصوف کے زمانہ میں حرم مکہ میں چار مصلے تھے، ہر مصلی پر علیحدہ علیحدہ جماعت ہوتی تھی بعض اماموں کی جماعتیں پہلے

ختم ہوجاتی تھیں اور یہ فارغ ہونے والے مقتدی طواف شروع کردیتے تھے، پھر دوسرے اماموں کی جماعتیں شروع ہوتی تھیں جب ان کی جماعت ختم ہوجاتی تو وہ اپنے مقتدیوں کے ساتھ دعا کرنے لگتے تھے ان کے ساتھ وہ لوگ بھی رفع الدین کرکے دعا میں شریک ہوجاتے تھے جو طواف شروع کرچکے تھے، اسی کو ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو بعض عوام طواف میں ہاتھ اٹھا کر اس وقت دعاء کرتے ہیں جب نماز کے بعد ائمہ شافعیہ اور حنفیہ دعاء میں مشغول ہوتے ہیں تو ان کا طواف میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور ان کے ساتھ شریک دعاء ہوجانا جو اپنی نماز کے بعد دعاء کر رہے ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں اور ابن حجر مکی نے جو اس کو جائز کہا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے پھر اپنی تائید میں علامہ برہمطوشی کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ حالت طواف میں رفع یدین کرکے دعاء کرنے والے کو جھڑکتے تھے۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ بذل المجہود کی عبارت کو دعا بعد الصلوۃ کی ممانعت کے لئے پیش کرنا درست نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(حضرت مولانا) عاشق الٰہی (صاحب) بلندشہری

مقیم مدینہ طیبہ، ۲۱/اپریل ۱۹۸۱ء

فرائض کے بعد دعاء کا مندوب ہونا روایات مرفوعہ وتعامل امت سے ثابت ہے

تقریظ حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ ومجاز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ و

برکتہ العصر بقیۃ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اُدام اللہ ظلالہ

مہاجر مدنی،

ناظم مدرسہ ریاض العلوم گورینی، چوکیہ ضلع جونپور

حامداً و مصليا و مسلما أما بعد!

عـن أبـی أمـامة رضی الله تعالیٰ عنه قال قيل يا رسول الله أی الـدعـاء اسـمع قال جوف الليل الآخر و دبر الصلوة المكتوبات رواه الترمذی كذا فی المشكوة.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کس وقت کی دعاء اقرب الی الاجابہ ہے ارشاد فرمایا آخر شب کے وسط میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

اس حدیث پاک میں اجابت دعا کا دو وقت خصوصی بتلایا گیا ہے۔ اول نصف شب کے بعد، دوسرے نماز فرض کے بعد۔ پہلا وقت اجابت یعنی جوف لیل آخر اس کے برکات وفضائل کو کیا کہئے باوجود اس کے کہ نفس پر شب بیداری شاق ہوتی ہے اس لئے عامۃ الناس کو یہ میسر نہیں ہوتی، خواص امت ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، البتہ دوسرا وقت اجابت یعنی بعد صلوۃ مکتوبہ اس سے تمام امت سلف سے خلف تک برابر بہرہ ور ہوتی رہی ہے، اور بلانکیر اس وقت دعاء کرنا امت کا معمول رہا ہے مگر اس دور میں جہاں امت کے سامنے بہت سے پریشان کن مسائل آرہے ہیں اس وقت کی دعا کا مسئلہ بھی ایک مسئلہ مختلف فیہا بن گیا ہے۔ فیا للعجب۔

معلوم ہوا ہے کہ بنگلہ دیش میں کسی مفتی صاحب نے فرضوں کے بعد دعاء کرنے کو بدعت سیئہ کہہ کر عام مسلمانوں میں ایک اختلاف کی نئی شکل پیدا کردی ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا ثمر احمد صاحب جونپوری مدظلہ کو کہ انہوں نے اس سلسلہ میں استفتاء کر کے بر وقت امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ حضرت مولانا ثمر احمد صاحب زادمجدہ اس خاندان کے ایک لائق اور بابرکت فرزند ہیں جن کے جدامجد حضرت مولانا کرامت علی شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ ہادی بنگال کے لقب سے معروف ومشہور ہیں۔ ماشاء اللہ یہ خاندان ابھی تک رشد وہدایت اور علم وعمل کا گنجینہ ہے۔

الغرض مولانا نے وہ استفتاء اپنے بھتیجے مولوی جاوید سلمہ کے ذریعہ جو مدرسہ

ریاض العلوم میں اس وقت متعلم ہیں ہمارے دارالافتاء میں بھیج دیا۔ نائب مفتی مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی سلمہ نے پوری تفصیل اور بسط کے ساتھ اس کا جواب لکھا اور مولانا محمد حنیف صاحب صدر مدرس مدرسہ ریاض العلوم کی موجودگی میں اس ناکارہ کو حرف بحرف سنایا۔ الحمدللہ مسئلہ دعاء بعد از فرائض آج تک امت مسلمہ میں جاری ہے اس کا مندوب و مستحسن ہونا روایات مرفوعہ، تعامل امت، اقوال فقہاء سے خوب واضح ہوگیا۔

فلله در المجيب حيث اجاد فيما اجاب و أنا الراجى رحمة ربى الكريم عبده

عبدالحلیم عفی عنہ

۱۶رصفرالمظفر ۱۴۰۱ھ

تصدیق وتصویب

بقلم مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ صدر مدرس مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جونپور

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين و آله و أصحابه أجمعين. أما بعد!

چند ہی دنوں کا واقعہ ہے کہ ہمارے مدرسہ ریاض العلوم واقع گورینی، دار الافتاء میں ایک مطبوعہ اور طویل استفتاء دعاء بعد الفرائض بہیئۃ اجتماعیہ کے سلسلہ میں موصول ہوا کہ فلاں مفتی صاحب اس دعاء کو بدعت سیئہ فرماتے ہیں اور ان کے مستدلات یہ ہیں جن کا حاصل یہ تھا کہ صاحب الفتاوی الکبری، وصاحب بذل و صاحب معارف السنن یہ سب حضرات بیک زبان اس باب میں مفتی مذکور کے ہمنواء ہیں، چنانچہ اثبات مدعی کے لئے ان کتب کی عبارات سے استشہاد بھی فرمایا ہے اور اس باب کی جملہ ان احادیث کو جن میں دعاء بعد الفرائض اجتماعا ذکر ہے، ضعیف کہہ کر اور فقہاء کے نصوص کو ان کی ذاتی رائے اور بے سند فرما کر نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ ساری ہی باتیں اور دعوے بالکل بے اصل ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب زادلطفہ کو کہ انہوں نے ان سارے گوشوں کا خوب خوب

جائزہ لیا ہے اور بیان شافی وکافی سے مسئلہ کے تمام اطراف کا اثبات فرمایا ہے، امید کہ یہ بیان غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے تریاق ثابت ہوگا۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

وأنا عبدہ الضعیف محمد حنیف غفرلہ

خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی چوکیہ ضلع جونپور

۱۹/صفر ۱۴۰۱ھ

حیات
حبیب الامت

حیات
حبیب الامت

حیات
حبیب الامت

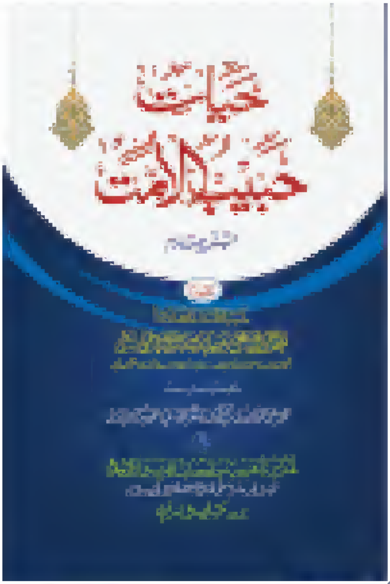
حیات
حبیب الامت

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ملک بنگال کے مفتی فیض اللہ صاحب نے ''فتویٰ مناجات بعد صلوۃ'' نام کی ایک کتاب چھپوائی ہے۔ از اول تا آخر انھوں نے بعد نماز مناجات میں ہاتھ اٹھانے کو بدعت سیئہ ثابت کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ فرض نماز کے بعد یا تنہا فرض ہو یا نفل وتر ہو یا تراویح ختم۔ نماز کے بعد امام دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے اور مقتدی بھی تبعاً للامام ہاتھ اٹھاتے ہیں اور آمین آمین کہتے ہیں یہ بدعت سیئہ ہے۔ کسی بھی حدیث سے مرفوع ہو یا موقوف حتی کہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع حدیث سے بھی اس بارے میں کہیں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ نہ نبی علیہ السلام نے ہاتھ اٹھایا نہ صحابہ نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے نہ زمانہ سلف صالحین ائمہ مجتہدین میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے نہ فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ ہاں ادعیہ ماثورہ مثلاً اللھم انت السلام وغیرہ کا پڑھنا ثابت ہے۔ مگر صرف انفرادی حیثیت سے ہے۔ لہٰذا دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا غلو فی الدین اور شرعی حد سے تجاوز ہے۔ لہٰذا سب کو چاہئے کہ فرداً فرداً بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے ان دعاؤں کے پڑھنے پر اکتفا کریں۔ ہاتھ اٹھانا عبث اور بے اصل ہے۔ بعض فقہاء نے بغیر کسی دلیل نقلی کے محض قیاس اور استنباط سے ایسی دعاء کو مستحب بتایا ہے۔ کوئی حدیث قولی یا

فعلی اپنے استدلال پر نہیں دیا ہے۔ حدیث میں جو دبر الصلوۃ کا لفظ آتا ہے اس کا مطلب اخر الصلوۃ ہے جیسے دبر اللیل کے معنی آخر اللیل کے آتے ہیں۔ صحابہ کرام نے نبی علیہ السلام کے جز و جز و حالات نقل فرمائے ہیں مگر کسی بھی صحابی سے ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ نبی علیہ السلام نے بعد فرائض صلوٰۃ کبھی بھی ہاتھ اٹھایا ہو، لہٰذا مناجات مروجہ قرون متاخرہ کا تعامل تو ہوسکتا ہے مگر قرون ثلثہ کا تعامل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس دور کے علماء اگر دعاء میں ہاتھ اٹھاتے ہیں تو یہ ان کا اپنا ذاتی فعل ہے جو کہ سند نہیں ہے، تعامل سلف حجت ہے۔ تعامل خلف حجت نہیں ہے۔

نورالایضاح اور مراقی الفلاح میں جو اس کو مندوب کہا ہے اس کی نہ تو کوئی سند ہے نہ دلیل، نہ کسی مجتہد سے منقول۔ محض ان کی ایک رائے ہے جو قابل عمل سند نہیں ہے۔ امام تیمیہ اس بارے میں فرماتے ہیں **دعاء الامام والماموین جمیعا عقیب الصلوۃ فھو بدعۃ لم یکن علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم** (فتویٰ ابن تیمیہ صفحہ ۱/۱۸۴)

نیز مولانا خلیل احمد صاحبؒ بذل المجہود (۳/۱۳۸) میں کہتے ہیں **و أما ما یفعلہ بعض الامام من رفع الیدین فی الدعا عند دعاء جماعۃ من ائمۃ الشافعیۃ و الحنفیۃ بعد الصلوۃ فلا وجہ لہ** ۔ نیز مولانا انور شاہ کشمیریؒ "فیض الباری" (۲/۱۶۷) میں لکھتے ہیں۔ **و اعلم ان الادعیۃ بھذہ ھیئۃ الکذائیۃ لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یثبت عن رفع الایدی دبر**

الصلوة فی الدعوات ۔ نیز مولانا یوسف بنوریؒ جامع ترمذی کی شرح معارف السنن (۳/۴۰۹) میں فرماتے ہیں ’’بہت شہروں میں یہ بات رائج ہے فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور سے دعاء مانگتے ہیں، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ لعیہ وسلم کے زمانہ میں کبھی کبھار کے لئے بھی ایسی دعاء کا ثبوت نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ہمیشہ ایسا کرنا۔ ہاں البتہ فرائض کے بعد تواتر کے ساتھ بہت سی دعائیں ثابت ہیں۔ مگر وہاں نہ ہاتھ اٹھانا ہے نہ ہیئۃ اجتماعیہ۔ لاہور کے مشہور عالم علامہ ابو القاسم رفیق دلا دریؒ اپنی کتاب عماد الدین (صفحہ ۳۹۷) پر لکھتے ہیں ’’الغرض فرض نماز کے سلام کے بعد امام اور اس کے مقتدیوں کا مل کر دعا مانگنا بدعت سیئہ ہے۔ مولانا عبد الحیؒ صاحب فرنگی محلیؒ اپنے مجموعۂ فتاوی صفحہ ۱۶۱ جلد اول میں لکھتے ہیں یہ طریقہ جو فی زمانا مروج ہے کہ امام بعد سلام رفع یدین کے ساتھ دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں یہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا‘‘ یہ سب دلائل اور علماء امت کے اقوال نقل کر کے مولانا فیض اللہ نے ملک میں انتشار کی صورت پیدا کر دی ہے۔ امت مسلمہ گروہ در گروہ ہوگئی۔ اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ اکابر امت عامۃ المسلمین نیز علماء حرمین شریفین اجتماعی حیثیت سے بعد فرائض نماز ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں اور عام طریقہ سے مساجد کے ائمہ بھی کر رہے ہیں، گویا اجماع امت کی سی کیفیت اور حالت پائی جاتی ہے تو نا درست، مکروہ اور بدعت سیئہ ہے؟ جیسا کہ مولانا فیض اللہ کا قول نقل کیا گیا۔ یا درست ہے جیسا کہ علماء امت

کا عمل ہے۔مولانا تھانوی نے تو اس خاص مسئلہ پر ایک رسالہ **استحباب الدعوات** کی تالیف فرمائی ہے۔امید کہ بغور یہ سوال ملاحظہ فرما کر تفصیل سے آگاہ فرمائیں گے تاکہ رفع شر ہو سکے، نیز ہم لوگ **اتبعوا سواد الاعظم** اور **لا تجتمع امتی علی الضلالة** اور تعامل حرمین شریفین نیز مثل اجماع امت ہونے کی وجہ سے ہم سب عمل کرتے رہیں یا مولانا موصوف کے قول کے مطابق دعاء میں ہاتھ اٹھانے کو ترک کردیں؟

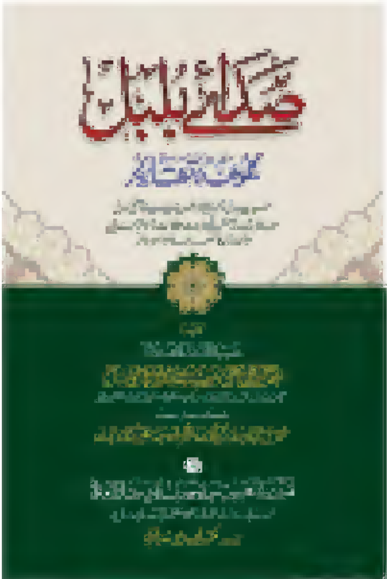

طویل استفتاء بسلسلۂ مناجات بعد صلوۃ مکتوب مفتی فیض اللہ صاحب مشتمل بر چند اقتباسات موصول ہوا، اسی کے ہمراہ ایک رسالہ بعنوان ''دفع الھفوات برفع الایدی فی الدعوات'' مؤلفہ ظفر احمد صدیقی ملاٹولہ جونپور بھی نظر سے گزرا استفتاء پڑھنے کے بعد مذکورہ رسالہ کے چیدہ چیدہ مضامین بھی بنظر غائر دیکھنے میں آئے ماشاء اللہ کتاب اپنے موضوع پر کافی اور وافی ہے، اور اپنے اندر جامعیت رکھتی ہے (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے) اب مزید کچھ تحریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ چند غلطیاں وتسامحات میں ذکر کرتا ہوں جو کہ مفتی فیض اللہ صاحب نے نقل عبارت میں کی ہیں، جس کے تذکرے سے آپ کے عناوین ساکت ہیں۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب موصوف جوشِ خامہ فرسائی میں الفاظ کے توازن کو بھی بھول گئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ موصوف نے قصداً ایسا کیا ہوگا، بہر حال حسن ظن باقی رکھتے ہوئے ہم یہی کہیں گے کہ موصوف بھول گئے ہوں گے۔ چونکہ موصوف نے لکھا ہے کہ:

مفتی فیض اللہ صاحب کا ارشاد اور اس کا جواب:

(ا) (فرائض نماز کے بعد یا تنہا فرض ہو یا نفل وتر ہو تراویح ختم نماز کے بعد امام دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے اور مقتدی بھی تبعاً للامام ہاتھ اٹھاتے ہیں اور آمین

آمین کہتے ہیں یہ بدعت سیئہ ہے)۔

حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ بدعت کی تعریف اس پر قطعا صادق نہیں آتی، نیز سیئہ کے ساتھ اس کو متصف کرنا یہ جرأت ہماری فہم سے بالاتر ہے۔

فرائض کے بعد دعاء کا ثبوت:

کتب حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ثبوت موجود ہے، چنانچہ ابن ابی شیبہ میں اسود بن عامر کی روایت موجود ہے۔ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ فَلَمَّا سَلَّمَ اِنْحَرَفَ وَ رَفَعَ یَدَیْہِ وَ دَعَا الحدیث والاسود ھذا بن عبد اللہ ابن حاجب بن عامر من رجال ابی داؤد، و ذکرہ ابن حبان فی الثقات، و قال الذھبی محلہ الصدق کما فی التھذیب (معارف السنن ۳/۱۲۳) رجالہ ثقات۔ یہ روایت معارف السنن و مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ میں بھی موجود ہے۔

اس سے فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر دعاء کا ثبوت ملتا ہے۔ اگرچہ اس روایت کے اندر اس کا ذکر نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ہاتھ اٹھایا یا نہیں۔ لیکن قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ صحابہ کرام نے بھی ضرور ہاتھ اٹھا کر دعاء میں شرکت کی ہوگی، چونکہ صحابہ کرام کا جو حرص علی اتباع اقوال النبی وافعالہ واعمالہ تھا جیسا کہ صحابہ کرام کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ اباء کرتا ہے، اس

بات سے کہ آنحضور تو دعاء ہاتھ اٹھا کر فرما رہے ہوں اور تمام صحابہ ہاتھ چھوڑے بیٹھے ہوں۔ اس روایت سے فرائض کے بعد اجتماعی طور پر دعاء کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس کو بدعت کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے جب بدعت ہی کہنا درست ثابت نہیں ہوا تو پھر سیئہ کے ساتھ اتصاف یہ خطاء بر خطاء ہے۔

مستحب پر مداومت کو بدعت نہیں کہا جا سکتا:

اور یہ بھی آپ نہیں کہہ سکتے کہ مستحب پر مداومت بدعت ہے چونکہ کہیں بھی اس کی تصریح نہیں ہے جبکہ اس کے فرض یا واجب ہونے کا تصور بھی نہ ہو۔ بلکہ مستحبات پر مداومت مطلوب ہے جیسا کہ روایت ہے **خَیْرُ الْاَعْمَالِ مَا دِیْمَ عَلَیْہِ وَ اِنْ قَلَّ وَ قَالَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ لَاتَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ ثُمَّ تَرَکَہٗ الْحَدِیْث**۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا دوسرا ارشاد اور اس کا جواب:

(۲) تحریر ہے (کسی بھی حدیث سے مرفوع ہو یا موقوف حتی کہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع حدیث سے بھی اس بارے میں کہیں بھی ثبوت نہیں ہے)......

حالانکہ ابھی مرفوع روایت گزری ہے۔

نیز یہ مزید تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف یہ دعوی ہے یہ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں حتی کہ موضوع اور ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں اور دوسری طرف جب

روایت سامنے آتی ہے تو موصوف اس روایت کو ضعیف وغریب کہہ کر رد کردیتے ہیں جیسا کہ موصوف نے اپنے فتاوی میں اسود بن عامرؓ اور حضرت انسؓ کی روایت کو ضعیف قرار دے کر ترک کردیا ہے، پھر ان کا یہ دعوی کیسے صحیح ہوا کہ کسی روایت ضعیف سے بھی اس کا ثبوت نہیں ہے:

(۱) إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ نیز ترمذی شریف میں حدیث مرفوع موجود ہے۔

فرض کے بعد اثبات دعاء کی دوسری دلیل:

(۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةُ مَثْنٰى مَثْنٰى وَ تَشَهُّدٌ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَتَخَشُّعٌ وَ تَضَرُّعٌ وَ تَمَسْكُنٌ وَ تَقْنَعُ يَدَيْكَ تَرْفَعُهَا إِلٰى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُوْنِهِمَا وَجْهَكَ وَ تَقُوْلُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ الخ اس روایت سے بھی دعاء بعد الصلوۃ برفع الیدین ثابت ہوتا ہے كما أيده صاحب الكوكب في كتابه: (۱/۱۷۱) تحت قوله وتقنع يديک الخ من لفظ هذا الحديث يثبت الدعاء برفع يديه كما هو المعمول و انكار الجهلة عليه مردود اه و منها اى من مستدلات الدعاء بعد الصلوة برفع يديه ما أخرجه ابن أبي حاتم باسناده۔

فرائض کے بعد اثبات دعاء کی تیسری دلیل:

(۳) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةؓ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْهِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَهُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ خَلِّصِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدِالخ قال یعقوب هذا حدیث صحیح وفیه علی بن زید بن جدعان قال العجلی یکتب حدیثه و مثله قال بن عدی وغیره و قال ابن معین ما اختلف علی بن زید قط (معارف السنن۳/۱۲۲)،و منها ما رواه ابن السنی" فی عمل الیوم و اللیلة باسناده۔

فرائض کے بعد اثبات دعاء کی چوتھی دلیل:

(۴) عَنْ أَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، مَا مِنْ عَبْدٍ یَبْسُطُ کَفَّیْهِ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوةٍ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِلٰهِیْ وَ اِلٰهَ إِبْرَاهِیْمَ وَ إِسْحَاقَ وَ یَعْقُوْبَ الخ الا کان حقاعلی الله أن لا یرد یدیه خائبتین" و منها ما أخرجه الطبرانی فی الکبیر۔

فرائض کے بعد اثبات دعاء کی پانچویں دلیل:

(۵) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ فِي الْأَوْسَطِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ

اللّٰہُ عَنۡہُ قَالَ صَلّٰی رَسُوۡلُ اللّٰہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ الۡفَجۡرَ ثُمَّ اَقۡبَلَ عَلَی الۡقَوۡمِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ لَنَا فِیۡ مَدِیۡنَتِنَا وَ بَارِکۡ لَنَا فِیۡ مُدِّنَا وَ صَاعِنَا وَ ذَکَرَھُمَا السَّھۡمُوۡدِیُّ فِی الۡوَفَاءِ: (۱/۳۷-۳۸)،و رجالھما ثقات کما قالہ صاحب (معارف السنن:۱۲۳/۳)۔

فرائض کے بعد اثبات دعاء کی چھٹی دلیل:

(۶) و منھا أی من مستدلات الدعا بعد الصلوۃ المکتوبۃ برفع الیدین اجتماعا ما ورد فی حدیث حبیب بن سلمۃ الضمری فی کنز العمال (۱/۱۷۷)ولا یجتمع ملاء فیدعو بعضھم و یؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ (معارف:۱/۱۲۲)۔

ان تمام روایات کے باوجود جو مسئلہ مجو ثہ عنہا پر کافی وشافی ہیں نہ معلوم مفتی صاحب موصوف نے کیوں تغمیض بصر سے کام لیا ہے، ناظرین کرام ان روایات پر منصفانہ نظر ڈالیں اور خود فیصلہ کریں کہ موصوف کا مذکورہ قول کہاں تک صحیح ہے۔ ہاں اگر موصوف یہ فرماتے کہ میں قلت بضاعت کی وجہ سے ایسی روایات نہیں پا سکا جو مسئلہ مذکورہ پر دلالت کرے تو کسی درجہ میں عذر قابل قبول ہوتا، تاہم عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتی ہے۔

سلب کلی کے ابطال کے لئے اثبات جزئی کافی ہے:

موصوف نے تو دعوی سلب کلی کا کیا تھا اس کے ابطال کے لئے اثبات جزئی کافی تھی مگر تبرعا مزید روایات بصیرت پیدا کرنے کے لئے تحریر کردی ہیں تا کہ علی وجہ البصیرت رجوع کرسکیں نیز ان روایات سے موصوف کی یہ تحریر بھی باطل ہوگئی کہ (نہ نبی علیہ السلام نے ہاتھ اٹھایا نہ صحابہ نے الخ کما لایخفی علی ذوی الافهام۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا تیسرا ارشاد اور اس کا جواب

۳- (نہ زمانہ سلف صالحین وائمہ مجتہدین میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔

ابن تیمیہ کی رائے:

یہ بھی درست نہیں چونکہ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیف ''الفتاوی الکبری'' میں لکھا ہے "ولهذا كان العلماء المتأخرون فی هذا الدعاء على أقوال منهم من يستحب ذلك عقيب الفجر و العصر كما ذكر ذلك طائفة من أصحاب أبی حنيفة و مالک و أحمد وغيره الخ (۱۸۸/۱)۔اس سے معلوم ہوا کہ چاروں ائمہ کرام کے نزدیک بالاتفاق نماز کے بعد دعاء مانگنا امام ومقتدی کا برفع الیدین مستحب ہے۔

ابن عرفہ کی رائے:

ابن عرفہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ قاضی محمد بن العربی کے اقوال بھی اسی کے قریب ہیں۔ و ھکذا فی فتح المعین للشوافع و ھکذا فی کتاب ابن حجر شرح عباب، و ھکذا فی شرح المھذب للنووی (۴۸۸/۳)۔ الدعاء للإمام والماموم والمنفرد عقب کل صلوٰۃ بلا خلاف و یقول و یستحب أن یقبل علی الناس فیدعو معارف السنن (۱۲۳/۳)، و ھکذا فی شرح اقناع للشیخ بن ادریس حنبلی، وھکذا فی نور الایضاح و شرحہ مراقی الفلاح للشرنبلالی اس تفصیل سے موصوف کا یہ قول بھی باطل ہوگیا کہ (نہ فقہ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے) غرض کہ کتب فقہ و غیر کتب فقہ معتبر کی اس قدر تصریحات اور ائمہ مجتہدین کی اس قدر تفصیلات کے باوجود موصوف کا قول قبولیت کے کس درجہ میں آ سکتا ہے اہل نظر پر مخفی نہیں۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا چوتھا ارشاد اور اس کا جواب:

۴- تحریر فرماتے ہیں (لہٰذا دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا غلو فی الدین و شرعی حد سے تجاوز ہے)۔

اس کی بھی حقیقت ما سبق کے بیان سے واضح ہے محتاج بیان نہیں کہ جب احادیث صحیحہ قویہ مرفوعہ مستندہ مسئلہ مجوثہ عنہا پر صراحۃً دلالت کر رہی ہیں نیز عمل صحابہ و

اقوال مجتہدین وتصریحات فقہاء اس کی مؤید ہیں پھر موصوف کا مذکور قول کہاں تک درست ہے؟

مفتی فیض اللہ صاحب کا پانچواں ارشاد اور اس کا جواب:

۵-موصوف لکھتے ہیں کہ (ہاتھ اٹھانا عبث اور بے اصل ہے)۔

موصوف کا ہاتھ اٹھانے کو عبث کہنا نہ معلوم کس معنی کو مراد لے کر ہے اگر عبث کے معنی لغو اور بیکار و بے فائدہ کے ہیں جیسا کہ یہی معنی متعین ومفہوم ومشہور ہے جس کی لغت بھی تائید کرتی ہے تو پھر ہاتھ اٹھانے کو عبث یعنی بے کار و بے فائدہ کہنا قطعاً غلط ہے چونکہ اس کی افادیت تو خود حدیث کے اندر مصرح ہے جیسا کہ ماسبق میں ابن السنی کی کتاب "**عمل الیوم و اللیلة**" کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔**مَا مِنْ عَبْدٍ یَبْسُطُ کَفَّیْهِ فِیْ دُبرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ إِلٰی اَنْ قَالَ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَنْ لَایَرُدَّ یَدَیْهِ خَائِبَتَیْنِ** اس تصریح کے باوجود دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانے کو بے اصل کہنا کس حد تک موزوں ہے۔ ہر ذی فہم اس کو سمجھ سکتا ہے۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا چھٹا ارشاد اور اس کا جواب:

٦-تحریر فرماتے ہیں (بعض فقہاء نے بغیر کسی دلیل نقلی کے محض قیاس اور استنباط سے ایسی دعاء کو مستحب بتایا ہے کوئی حدیث قولی یا فعلی اپنے استدلال پر نہیں دیا

ہے) جب کہ قیاس حجت شرعیہ میں سے ہے جیسا کہ صاحب نورالانوار نے لکھا ہے **اعلم أن أصول الشرائع ثلاثة الكتاب و السنة والإجماع والأصل الرابع القياس** ۔اور قیاس سے مسائل کو مستنبط کرنے کو ہدایت فرمایا گیا ہے۔ پھر قیاس سے مستنبط مسائل کو بدعت کہنا کہاں تک درست ہے؟ نیز کسی فقیہ کا اپنے قول کے استدلال میں حدیث کا ذکر نہ کرنا اس قول کے مستنبط من القیاس ہونے کی دلیل نہیں تا آنکہ وہ خود اس قول کے قیاسی ہونے کی تصریح نہ کردے۔ نیز بعض فقہاء سے جس فقیہ کی طرف اشارہ ہے انہوں نے اپنے اقوال کے مستدلات کو بیان کرنے کا التزام ہی نہیں کیا ہے پھر ان پر یہ اشکال کیسے درست ہوسکتا ہے۔ نیز وہ روایات جو ما سبق میں گزر چکی ہیں وہ سب حضرات فقہاء کے مستدلات میں سے ہیں عدم بیان عدم وجود کی دلیل نہیں۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا ساتواں ارشاد اور اس کا جواب:

۷-**دبر الصلوة** کا لفظ جو حدیث میں آتا ہے اس کا مطلب آخر الصلوۃ ہے، موصوف نے دبر الصلوۃ کا معنی و مطلب اس انداز سے بیان فرمایا ہے گویا کہ دبر الصلوۃ کے معنی آخر الصلوۃ متعین ہے۔ حالانکہ دبر الصلوۃ کے تین معنی آتے ہیں جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے اپنی تصنیف ''الفتاوی الکبری'' میں اس کی تصریح کی ہے فرماتے ہیں:'**لفظ دبر الصلوة قد يراد به آخر جزء من الصلوة كما يراد**

بدبر الشئ مؤخره" و قد يراد به ما بعد انقضائها كما فى قوله تعالىٰ و أدبار السجود و قد يراد به مجموع الأمرين و بعض الأحاديث يفسر بعضا من تتبع ذلک وتدبره (۱۸۸/۱)دبر الصلوۃ کے معنی جس طرح آخر الصلوۃ کے ہیں اسی طرح ما بعد انقضاء الصلوۃ کے بھی ہیں۔ پھر تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ مابعد انقضاء الصلوۃ ہی مراد ہے۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا آٹھواں ارشاد اور اس کا جواب:

۸- موصوف نے لکھا ہے کہ کسی صحابی سے۔ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ نبی علیہ السلام نے بعد فرائض صلوۃ کبھی بھی ہاتھ اٹھایا ہو۔ موصوف کا یہ قول بھی کس درجہ صحت کا مقام رکھتا ہے ماسبق کے بیان سے وہ عیاں ہے۔ کیا حدیث اسود بن عامر عن أبیہ سے حضور کا رفع یدین للدعاء بعد الصلوۃ ثابت نہیں ہوتا؟ اور کیا اسود کے والد صحابی نہیں ہیں؟ اگر صحابی نہیں ہیں تو صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت میں کیسے موجود ہے؟ یہ لفظ صلیت اس بات پر صریح دال ہے کہ اسود کے والد صحابی ہیں۔اسی طرح اس پر بھی صریح دال ہے کہ حضور نے بعد الصلوة المكتوبة دعاء کے لئے ہاتھ اٹھایا ہے۔ثبوت اور شہادت کے باوجود ہم کیسے مان لیں کہ کسی بھی صحابی سے کوئی روایت حضور کے رفع يدين للدعاء بعد المكتوبة پر موجود نہیں ہے اور نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے بعد کبھی بھی دعاء کے لئے ہاتھ نہیں اٹھایا موصوف کا یہ

قول بھی قابل قبول نہیں۔

موصوف کے اس قول کی تردید کے لئے ایک روایت کا پیش کردینا اس کے ثبوت پر کافی ہے چونکہ یہاں پر بھی موصوف نے سلب کلی کا دعویٰ کیا ہے اور ضابطہ مسلمہ ہے کہ سلب کلی کے ابطال کے لئے اثبات جزئی کافی ہے۔ لیکن تبرعاً ایک اور روایت پیش کردیتے ہیں۔ **مَا اَخْرَجَهُ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ بِاِسْنَادِهٖ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ یَدَیْهِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَهُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ خَلِّصِ الْوَلِیْدَ بْنَ الْوَلِیْدِالخ** اس روایت کے اسناد پر ماسبق میں کلام کیا جاچکا ہے کہ یہ روایت رواۃ واسناد کے اعتبار سے صحیح ہے جیسا کہ یعقوب کا بھی قول نقل کیا تھا کہ قال یعقوب ہذا حدیث صحیح اور یہ روایت مرفوع بھی ہے اور راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ صحابی ہیں انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور یہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع یدین للدعاء کو بعد ماسلم بیان کر رہے ہیں تو غور فرمائیں کہ صحابی کی روایت ہے اور حضور کا رفع یدین بعد ماسلم ثابت کر رہے ہیں۔ ان روایات کے باوجود موصوف کا مذکورہ قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد والا قول موصوف کا لہٰذا کہہ کر قول اول پر متفرع ہے جب قول اول درجہ صحت سے خارج ہوگیا تو یہ تفریع بھی درجہ صحت سے بدرجہ اولیٰ خارج ہوگئی **كما لا يخفى على من له أقل نصيب من الدراية، فاعتبروا يا أولى الأبصار** ۔ نیز اسی طرح دوسرا لہٰذا کہہ کر جو تفریع کی ہے وہ بھی غلط ہے۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا نواں ارشاد اور اس کا جواب:

۹- یعنی لہٰذا اس دور کے علماء اگر دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں تو یہ ان کا اپنا ذاتی فعل ہے جو کہ سند نہیں ہے۔

یہ بھی مقام صحت سے بالاتر ہے چونکہ ماسبق کی روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے **رفع یدین للدعاء بعد الفرائض** ثابت ہے پھر اس عمل کو ان علماء کی ذاتی رائے کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ یہ تو اتباع عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ عمل رسول کی اتباع کو ذاتی رائے سے تعبیر کرنا کہاں تک درست ہے؟ نیز یہ کہنا کہ یہ سند نہیں ہے یعنی علماء کا ذاتی فعل سند نہیں ہے یہ تو اس وقت کہنا درست ہوگا جب کہ ان کا فعل مستند نہ ہو۔ جب ان کا یہ فعل مستند ہے تو اس کے سند بننے میں کیا اشکال ہے۔ اور اگر بالفرض ومحال ہم مان لیں کہ کسی بھی حدیث میں رفع یدین للدعاء بعد المکتوبہ کا ثبوت نہیں ہے اور کسی بھی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث میں اس کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ نے ہاتھ اٹھایا ہی نہیں اس لئے کہ کسی شیٔ کا ذکر نہ ہونا اس کے عدم کو مستلزم نہیں **کما ھو شائع ذائع مشھور جدا ان عدم الثبوت لا یستلزم ثبوت العدم** اور جب کہ اس کا لحاظ کیا جائے کہ ہاتھ اٹھانا مطلق دعاء کے آداب میں سے ہے تو ہاتھ اٹھانے کی ترجیح ثابت ہوتی ہے **کما لایخفی علی**

ذوی الافہام۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا دسواں ارشاد اور اس کا جواب:

۱۰- تعامل سلف حجت ہے تعامل خلف حجت نہیں۔ نہ معلوم سلف سے کون سے قرون کے حضرات مراد ہیں اگر یہ معلوم ہو جاتا تو جواب دینے میں سہولت ہوتی تاہم مطلقاً یہ کہنا کہ تعامل خلف حجت نہیں، درست نہیں چونکہ اگر تعامل خلف مقرون بعمل السلف ہو یا مقرون بقول السلف ہو تو اس کی حجیت میں کوئی شک نہیں خصوصاً جب کہ تعامل سلف ماخوذ من السنۃ ہو کما بسطناہ من قبل، لہٰذا علی الاطلاق تعامل خلف کے عدم حجت کا قول قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا گیارہواں ارشاد اور اس کا جواب:

۱۱- نیز موصوف نے نور الایضاح و مراقی الفلاح کے مندوبیت کے قول کو نا قابل عمل قرار دیا ہے چونکہ ان کے قول کی نہ تو کوئی سند ہے نہ دلیل نہ کسی مجتہد سے منقول محض ان کی ایک رائے ہے۔ اس کے بھی دو جواب ہیں (۱) صاحب نور الایضاح نے دلیل بیان کرنے کا التزام ہی نہیں کیا ہے پھر اعتراض کرنا بے جا ہے۔ اگر ہر مسئلہ کے تحت انہوں نے دلیل بیان کی ہوتی اور اس مسئلہ کے تحت دلیل بیان نہ کی ہوتی اس وقت قول مذکور برمحل ہوتا۔ نیز جب کہ صاحب نور الایضاح کے ہر مسئلہ کو بلا دلیل بیان کئے ہوئے تسلیم کرتے ہیں تو اس مسئلہ کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟ دوسرا

جواب یہ ہے کہ عدم بیان عدم وجود کی دلیل نہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ صاحب نور الایضاح کے قول کی کوئی سند نہیں کیسے درست ہوسکتا ہے؟ ان کا قول مستند ہے اور سند وہ روایات ہیں جو ماسبق میں گزر چکی ہیں، لہٰذا جب ان کا قول مستند ہے تو مقرون بالسند ہونے کی وجہ سے ان کا قول بھی سند ہوگا نیز یہ فرمانا کہ نہ کسی مجتہد سے منقول ہے۔ یہ بھی محل کلام ہے چونکہ ائمہ مجتہدین کے اقوال ماسبق میں بالتفصیل بیان کئے جاچکے ہیں۔ ثالثاً یہ کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ صاحب نور الایضاح و مراقی الفلاح کا قول معتبر نہیں چونکہ ان کے قول پر کوئی دلیل نہیں ہے، لہٰذا یہ ان کی ذاتی رائے ہے اور یہ قابل عمل نہیں تو ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ پھر صاحب فیض الباری و صاحب الفتاوی الکبری و صاحب معارف السنن کے اقوال کا بھی اعتبار ہے یا نہیں؟ اگر ان حضرات کے اقوال کو معتبر مانتے ہیں اور یقیناً مانتے ہیں اسی وجہ سے تو آپ نے مدعا کے استشہاد کے لئے ان حضرات کے اقوال کو پیش کیا ہے تو اب میں پوچھتا ہوں کہ آپ ان حضرات کے اقوال کو کیوں تسلیم کرتے ہیں؟ اور اپنے مدعا کے لئے قابل حجت سمجھتے ہیں حالانکہ ان حضرات نے بھی اپنے اقوال پر کوئی دلیل کتاب وسنت سے نہیں دی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ان حضرات کے اقوال کو جو محض علمی کلام و گفتگو کی حیثیت رکھتی ہے دعاء بہیئت اجتماعی بعد الفرائض کے سلسلہ میں حجت سمجھتے ہیں یہ بھی تو محض ان کی ذاتی رائے ہے اور جس طرح صاحب نور الایضاح کا قول ان کی ذاتی رائے ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں اسی طرح ان حضرات کے بھی اقوال محض ذاتی رائے ہونے کی وجہ سے

حجت نہیں ہونے چاہئے پھر وجہ فرق کیا ہے؟ کہ ایک کو حجت مانتے ہیں اور ایک کو حجت نہیں مانتے جب کہ دونوں ایک درجہ میں ہیں بلکہ ان حضرات کا بھی قول جو بدعت ہونے کا ہے قابل التفات واعتناء نہ ہونا چاہئے، اور اگر آپ کہتے ہیں کہ ان حضرات کے اقوال کی تائید میں کوئی روایت یا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا عمل صحابہ یا قول مجتہد ہے اور صاحب نورالایضاح کے قول کی تائید میں نہ کوئی روایت ہے نہ عمل نبی ہے نہ عمل صحابہ نہ قول مجتہد تو یہ تسلیم نہیں، چونکہ صاحب نورالایضاح کی تائید میں روایت بھی ہے، قول نبی بھی ہے، قول صحابی بھی ہے، قول مجتہد بھی ہے جیسا کہ ماقبل میں بسط کے ساتھ اس کو بیان کیا جاچکا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ معاملہ برعکس ہے تو روایتی حیثیت سے بیجا نہ ہوگا چونکہ ایک بھی روایت مسئلہ مجوثہ عنہا کے انکار پر نہیں ملتی ہے۔ نیز موصوف نے اپنے مدعاء کے اثبات پر جس بزرگ کے قول کو استشہاد میں پیش کیا ہے وہ خود ان کے خلاف ہے اور میدان تحقیق میں صاحب نورالایضاح کے قول کے ہمکنار ہے یعنی علامہ یوسف بنوریؒ نے بھی صاحب نورالایضاح ہی کے قول کی تائید کی ہے جیسا کہ ابھی آرہا ہے فانتظر۔

نیز کسی شئ کی نسبت پر کسی قول کا نہ ہونا اس کے بدعت ہونے کو مستلزم نہیں جیسا کہ نورالایضاح کے ص ۱۲۲ کے حاشیہ پر مصرح ہے اور اگر صاحب فیض الباری والفتاوی الکبری، ومعارف السنن کے قول کا اعتبار نہیں چونکہ ان کے اقوال پر نہ کوئی دلیل ہے نہ قول مجتہد ہے تو پھر ان حضرات کے اقوال سے مسئلہ مجوثہ عنہا کے بدعت ہونے پر

استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے۔إن هذا لشئ عجاب فاعتبروا یا أولی الأبصار۔

اب تک تو موصوف کے زلۃ القلم کی نشاندہی کی گئی تھی اب موصوف کے چند تسامحات کوذکر کرتے ہیں جوموصوف نے نقل عبارت میں قطع و برید سے کام لے کر اپنے مدعا کوزبردستی ان اقوال سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا تسامح نمبر ایک:

۱-تسامح جو ابن تیمیہ کی نقل عبارت میں کی ہے۔فرماتے ہیں: امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے:دعاء الإمام والماموین جمیعا عقیب الصلوة فهو بدعة لم یکن علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم (فتاوی ابن تیمیہ: ۱/۱۸۴) اس نقل میں ''بدعۃ'' کا لفظ موجود ہے حالانکہ اصل عبارت میں لفظ''بدعۃ'' کا وجود ہی نہیں ہے۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا تسامح نمبر دو:

۲-اس نقل میں ''لم یکن علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم'' ہے اوراصل عبارت میں ''فلم ینقل هذا أحد عن النبی صلی الله علیه وسلم'' ہے چنانچہ اصل عبارت ابن تیمیہ کی ''الفتاوی الکبری'' سے بعینہ نقل کی جاتی ہے ناظرین کرام غورفرمائیں کہ اس میں لفظ بدعت کہاں ہے: نیز لم یکن علی

عهد النبی صلی الله علیه وسلم“ ہے یا”فلم ینقل هذا أحد عن النبی صلی الله علیه وسلم“ ہےو أما قرأة آیة الکرسی فقد رویت باسناد لایمکن أن یثبت به سنة، و أما دعاء الإمام والمامومین جمیعا عقیب الصلاة فلم ینقل هذا أحد عن النبی صلی الله علیه وسلم، و لکن نقل عنه أنه أمر معاذا أن یقول دبر کل صلوة اللهم أعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک الخ (۱/۱۸۷)۔

غرض کہ موصوف نے جو یہ ترمیم وتنسیخ واضافہ سے کام لیا ہے کہ لفظ ”بدعة“ کا اضافہ فرمادیا اور ”فلم ینقل“ کی جگہ ”لم یکن“ الخ لکھ دیا یہ مصنف کی عبارت میں کیا خیانت نہیں ہے؟ نیز اس سے موصوف کا وقار کیا مجروح نہیں ہوتا ہے؟ ممکن تھا کہ استفتاء کے اندر غلط لکھا گیا ہو مگر جب موصوف کی اصل کتاب پر نظر پڑی تو یہ خیانت مزید آشکارا ہوگئی چونکہ وہاں بھی ص ۵٦ پر یہی عبارت بعینہ موجود ہے۔ نیز ابن تیمیہ کی تصنیف ”الفتاوی الکبریٰ“ میں (۱/۱۸٦ سے ۱/۱۸۹) تک یہی مسئلہ زیر بحث ہے مگر کہیں بھی ابن تیمیہ نے مسئلہ مجوث عنہا کو بدعت سے تعبیر نہیں فرمایا ہے۔ نیز اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ موصوف نے ابن تیمیہ کی عبارت فلم ینقل ہذا أحد“ سے بدعت کا مفہوم اخذ کیا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علامہ شرنبلالی کی درج عبارت سے بدعت کا مفہوم اخذ کیا جائے فرماتے ہیں: و له أی الاستسقاء صلوة جائزة بلا کراهة و لیست سنة لعدم فعل عمر رضی الله عنه لها حین استسقی لأنه کان

اشد الناس اتباعا لرسول الله صلى الله عليه وسلم و قد استسقى رسول الله صلى الله عليه وسلم بجميع الصحابة ولو ثبت صلوته فيها لاشتهر نقله اشتهارا واسعا (مراقی الفلاح ۳۰۰)، و لم يتركها عمر رضى الله عنه و بتركه لم ينكروا عليه الخ یعنی صلوۃ استسقاء جائز ہے بلا کراہت مگر سنت نہیں ہے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہ لوگوں میں سب سے زیادہ متبع لافعال و اقوال رسول الله صلى الله عليه وسلم ہیں استسقاء کے وقت نماز نہیں ادا فرمائی بلکہ استسقاء کے لئے نکلے اور صرف استغفار فرمایا أنــه خرج يستسقى فما زاد على الاستغفار حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے ساتھ استسقاء فرمایا ہے، لہٰذا اگر آنحضور ﷺ کا استسقاء کے لئے نماز پڑھنا ثابت ہوتا تو اس کے نقل کی شہرت وسیع پیمانہ پر ہوتی الخ غرضیکہ صلوۃ استسقاء کی روایات باوجودیکہ شائع و مشہور نہیں ہیں اور اس کے ثبوت میں نقل روایات کو شہرت کا مقام حاصل نہیں ہے تاہم کوئی صلوۃ استسقاء کو علامہ شرنبلالی کے اس قول سے استدلال کرتے ہوئے بدعت نہیں کہتا اس سے معلوم ہوا کہ مشہور نہ ہونا نقل کا بدعت ہونے کی دلیل نہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شئ کی عدم سنیت پر قول کا پایا جانا اس کے بدعت ہونے کو مستلزم نہیں ولا يلزم من عدم قوله بسنيتها بدعة كما نقله عنه أى الامام أبى حنيفة بعض المشتغلين بالتعصب هل هو قائل بالجواز (ہامش نور الایضاح ۱۲۲)، غرضیکہ موصوف جس طرح صلوۃ استسقاء کو

بدعت نہیں فرماتے اسی طرح دعاء بعد الفرائض اجتماعا کو بھی بدعت کہنے کی زحمت نہ فرماویں، چونکہ اس پر بھی روایات موجود ہیں جس طرح صلوۃ استسقاء کے ثبوت پر موجود ہیں اور جس طرح دعاء بعد الفرائض اجتماعا کی روایات نقل کے اعتبار سے مشہور نہیں اسی طرح صلوۃ استسقاء کی بھی روایات نقل کے اعتبار سے مشہور نہیں جیسا کہ علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں نیز اس پر کوئی دوسرا اشکال بھی بے محل ہوگا چونکہ صلوۃ استسقاء و مسئلہ مبحوثہ عنہا میں سنت و استحباب کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔

مفتی فیض اللہ صاحب کا تسامح نمبر تین:

۳-تسامح جو موصوف نے معارف السنن کی عبارت کے ترجمہ میں کی ہے وہ بھی ہدیہ ناظرین ہے، فرماتے ہیں۔

نیز مولانا یوسف بنوریؒ جامع ترمذی کی شرح معارف السنن (۴۰۹/۳) میں فرماتے ہیں کہ بہت سے شہروں میں یہ بات رائج ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور سے دعاء مانگتے ہیں حالانکہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کبھی کبھار بھی ایسی دعاء کا ثبوت نہیں ہے چہ جائیکہ ہمیشہ کرنا'' ہاں! البتہ فرائض کے بعد تواتر کے ساتھ بہت سی دعائیں ثابت ہیں مگر وہاں نہ ہاتھ اٹھانا ہے نہ ہیئت اجتماعیہ موصوف نے جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کبھی کبھار کے لئے بھی ایسی دعاء کا ثبوت نہیں ہے چہ جائیکہ ہمیشہ کرنا، یہ علامہ

بنوری علیہ الرحمہ کی عبارت کے کون سے جملہ کا ترجمہ ہے، موصوف کی عبارت میں کوئی جملہ ایسا نہیں ہے جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے، چنانچہ اصل عبارت درج کی جارہی ہے تاکہ اہل علم حضرات اچھی طرح سمجھ سکیں اس ترجمہ کا عبارت سے کیا جوڑ ہے اور کیا اپنی طرف سے ایسا ترجمہ کرنا جس پر مصنف کا کوئی جملہ دال نہ ہو خیانت میں داخل نہیں ہے؟ اصل عبارت یہ ہے ''بحث تنبیہ'' **قد راج في كثير من البلاد الدعاء بهيئة اجتماعية رافعين أيديهم بعد الصلوة المكتوبةولم يثبت ذلك في عهده صلى الله عليه وسلم و بالاخص بالمواظبة، نعم ثبت أدعية كثيرة بالتواتر بعد المكتوبة و لكنها من غير رفع الأيدى ومن غير هيئة اجتماعية** (معارف السنن:۳/۴۰۹)، حالانکہ موصوف مواظبت کی نفی کر رہے ہیں جیسا کہ خود فرمایا ہے ''**وبالأخص بالمواظبة**'' نہ یہ کہ کبھی کبھار ایسا کرنے کی نفی کر رہے ہوں جس سے اس کا بدعت ہونا ثابت ہوجائے۔ نیز لم یثبت الخ فرمایا اور عدم ثبوت احداث کو مستلزم نہیں چونکہ علامہ موصوف نے اپنی تتبع کے تحت لم یثبت فرمایا ہے کاش کہ مفتی صاحب موصوف خوف طوالت کی وجہ سے اس کی تفصیل کو نظر انداز نہ کرتے تو موصوف پر یہ بات آشکارا ہوجاتی کہ علامہ بنوری علیہ الرحمہ بھی اس کے بدعت ہونے کے قطعاً قائل نہیں ہیں، چنانچہ اس مقام پر کہیں بھی لفظ بدعت کو استعمال نہیں فرمایا بلکہ عدم ثبوت کا لفظ استعمال فرمایا ہے، نیز اسی صفحہ و بحث کے سیاق وسباق کی عبارات اس کے عدم بدعت پر صراحۃً دلالت کر رہی ہیں جیسا کہ

مذکورہ عبارت کے بعد متصلاً لکھتے ہیں:”نعم ثبت دعائه برفع الیدین باجتماع بعد النافلة فی واقعتین الخ نیز علامہ موصوف نے معارف السنن کی اسی جلد میں (۱۲۱/۳ سے ۱۲۴) تک اس پر مبسوط کلام فرمایا ہے، لیکن کسی مقام پر بھی دعاء بعد الفرائض بہیئت اجتماعی کے لئے بدعت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، برخلاف اس کے دعاء بعد الفرائض پر احادیث کا انبار جمع کیا ہے، چنانچہ علامہ موصوف کے رشحات قلم ہدیہ ناظرین ہیں تاکہ مسئلہ مجوثہ عنہا کے سلسلہ میں علامہ بنوری علیہ الرحمہ کا خیال روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے فرماتے ہیں وردت احادیث قولیة و فعلیة فی الدعاء دبر الصلوة مطلقا، أی قبل الفراغ عنها، و كذا بعد الفراغ عنها، و صحت أحاديث عامة فی أدب الدعاء من رفع اليدين و مسح الوجه بهما بعد الدعاء إلى أن قال و ورد فی حديث حبيب بن سلمه الضمری فی کنز العمال: (۱۷۷/۱)ولا یجتمع ملاء فیدعو بعضهم و يؤمن بعضهم إلا اجابهم الله و هو دليل لدعاء بهيئة اجتماعية، و مظنة قبولها أكثر من دعاء الوحدان الخ اس کے بعد مسئلہ مجوثہ عنہا کے اثبات پر پانچ روایتیں پیش کی ہیں اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں فهذه و ما شاكلها من الروايات فی الباب تكاد تكفی حجة لما أعتاده الناس فی البلاد من الدعوات الاجتماعية دبر الصلوة و لذا ذكره فقهائنا أيضا كما فی نور الإيضاح و شرحه مراقی الفلاح لشرنبلالی، يقول النووی فی

شرح المهذب (۳/۸۸۴) الدعاء للإمام والمأموم والمنفرد مستحب عقب كل الصلوة بلا خلاف، و يستحب أن يقبل على الناس فيدعوا۔

علامہ بنوری کی رائے:

ہاں اگر علامہ بنوری علیہ الرحمہ نے بدعت قرار دیا ہے تو اس دعاء کو بدعت قرار دیا ہے جو اہل بدع سنتوں کے بعد کرتے ہیں جس میں امام بلند آواز سے الفاتحہ کہتا ہے اس کے بعد امام ومقتدی سب سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں اس کے بعد درود شریف پڑھتے ہیں وغیر ذلک یہ بدعت ہے چونکہ اس کے ساتھ واجب جیسا التزام ہوتا ہے اور اگر کوئی امام یا مقتدی ہیئت کذائیہ کے ساتھ دعاء نہیں کرتا ہے تو اس پر نکیر کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات یہ انکار ونکیر جنگ وجدال کی حد کو پہنچا دیتی ہے، سب وشتم کی نوبت آ جاتی ہے، اور بھی دوسری ایسی قباحتیں اس میں ہیں جو برموقع دیکھنے میں آتی ہیں، لہٰذا یہ یقیناً ایسی بدعت ہے جو بہت سی بدعتوں کو اپنے دامن میں سموئے ہوئی ہے، پس اس کو سنت کہنا کسی طرح بھی درست نہ ہوگا بخلاف دعاء بعد الفرائض بہیئت اجتماعی کے کہ اس میں ان خرافات میں سے کوئی بھی کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔

مدارس کے علماء وطلباء کا معمول:

اور تو اور یہ ہمارے مدارس جہاں ہر وقت طلباء پر نگرانی رہتی ہے، قوم کی

امانت سمجھ کر ان کی تربیت اپنا فریضہ سمجھتے ہیں ہر خلاف شرع امر پر نکیر کی جاتی ہے فرائض تو در کنار سنن و مستحبات پر عمل کی تاکید ہوتی ہے اور حسب موقعہ زجر و توبیخ سے بھی کام لیا جاتا ہے، مگران آنکھوں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں مظاہر علوم، گنگوہ، دارالعلوم دیوبند کے طلباء کو خوب دیکھا کہ بہت سے طلباء نماز کے بعد فوراً بغیر دعاء میں شرکت کئے چلے جاتے تھے، خصوصاً عصر کی نماز کے بعد کہ اس وقت کھانا لینا ہوتا ہے لیکن کبھی بھی کسی استاد نے نکیر نہیں فرمائی، اس پر زجر و توبیخ نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ فرائض کے بعد اجتماعی دعاء پر ایسا التزام نہیں ہے جو **مفضی الی خصام شدید، و جدال قبیح، و قبائح و فضائع من الجهالات الفاحشة** ہو۔ اور بدعات کثیرہ کو متضمن ہو، ورنہ انکار و نکیر ضرور ہوتا، مگر اس کا نہ ہونا یہ دلیل ہے کہ اس کو فرض و واجب شمار نہیں کیا جاتا بلکہ مستحب ہی تصور کیا جاتا ہے باقی رہا عوام کا مسئلہ تو ان کو یہ بتلا دیا جائے کہ یہ مستحبات میں سے ہے کیا ضروری ہے کہ عوام کو بدعت ہی کے عنوان سے روشناس کرایا جائے۔ ہاں جنگ و جدال کی کیفیت آپ کے فتوی سے پیدا ہوگئی ہوگی بایں طور کہ ہر فریق اپنے معاملے میں متشدد ہوگا اور اس کا سبب مسئلہ مجوث عنہا کو بدعت کا عنوان دینا ہے۔ کاش کہ اس موضوع کو جولانی طبع و اظہار خامہ فرسائی کا ذریعہ نہ بنایا جاتا اور اس کو بدعت سیئہ ثابت کرنے کے دلائل متزلزلہ سے کاوش نہ کی جاتی تاکہ عوام اس کشمکش اور علماء کے ساتھ بدظنی قائم کرنے سے محفوظ رہتی جیسا کہ ہمارے اکابر نے توقف و سکوت کا اسوہ اختیار فرمایا ہے چونکہ اس میں

گنجائش ہے استحباب کا درجہ ثابت ہوتا ہے غرضیکہ خادم موصوف کی نقل کردہ عبارت کے صرف دوحوالوں کو دیکھ پایا تھا ''فتاوی ابن تیمیہ، ومعارف السنن'' کہ عبارات کی خیانتوں قطع و برید اور حذف واضافہ، وترجمہ کی گڑبڑی نے طبیعت کو مکدر کردیا، مزید حوالے دیکھنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی، اور اس فیصلہ پر مجبور ہوگیا کہ جب ان دوحوالوں کا یہ حال ہے تو آئندہ بس خدا ہی رحم فرمائے۔اس لئے مزید حوالے دیکھنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی۔

خلاصۂ کلام:

غرضیکہ فرائض کے بعد بہیئت اجتماعیہ دعاء کو بدعت کہنا نہ نقلا درست ہے نہ عقلا نیز جب کہ اس دور پُرفتن میں اکثر لوگ اپنے مشاغل میں گنجائش نکال کر نماز کے لئے آتے ہیں پھر اگر نماز کے بعد بہیئت اجتماعیہ دعاء کو بدعت قرار دے کر ممنوع قرار دیدیا جائے تو وہ عوام جو ہر وقت مشغول رہتے ہیں دعاء سے بالکل محروم ہی ہوجائیں گے بعض غفلت کی وجہ سے، بعض کاہلی وسستی کی وجہ سے، بعض قسوۃ کی وجہ سے، بعض عدم فرصت کی وجہ سے، اور اگر کسی طرح گنجائش نکال بھی لی تو اجتماعی دعاء کی برکت و فضیلت سے تو محروم ضرور ہی ہوجائیں گے، چونکہ اجتماعی دعاء میں جو قبولیت کی امید ہوتی ہے اور جو اثر ہوتا ہے وہ تنہا دعاء کرنے میں حاصل نہیں جیسا کہ روایت سے بھی یہ مفہوم ثابت ہوتا ہے۔

اور اگر بہیئت اجتماعی دعا جاری رکھی جائے تو اس میں بہت سے فوائد ہیں،عوام انتشار معہود سے بھی محفوظ رہیں گے، نیز علماء کے ساتھ بدظنی سے بھی محفوظ رہیں گے، اوراس میں سب کی شرکت بھی ہوجائے گی، قبولیت کی بھی زیادہ امید ہوگی، اس موقعہ سے فائدہ اٹھا سکے گی، چنانچہ صاحب کوکب علیہ الرحمہ نے بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔و لكن معاشر العوام الذين عمتهم الغفلة و احاطت بهم القسوة حتى لايكاد أحدنا يؤدى الأحكام حسب ما أمر به لسنا نتمكن من الإكتفاء بالدعوات الضمنية التى أشير إليها فى الآية أى ادعونى استجب لكم، بل لا بداتيان الدعاء مستقلا على حدة فيعزر تاركالدعوات بعد الصلوة ولا يعذر على تركها (کوکب:۲/۲۹۱)

افضل یہ ہے کہ فرائض کے بعد سنت سے پہلے دعاء میں مشغول ہو:

نیز علماء احناف نے بھی یہی لکھا ہے کہ فرائض کے بعد سنت سے قبل دعاؤں کو غنیمت سمجھے کذا على هامش کوکب، و يغتنم الدعاء بعد المكتوبة و قبل السنة على ما روى عن البقالى من أنه قال الافضل أن يشتغل بالدعاء ثم بالسنة و بعد السنن و الأوراد على ما روى من غيره و هو المشهورو المعمول به فى زماننا كما لايخفى فإنه مستجاب بالحديث و قد قال النبى صلى الله عليه وسلم فى حديث رواه ابن عباس رضى الله عنه من

لم يفعل ذلک فهو خداج أی من لم يدع بعد الصلوة رافعا يديه إلی ربه مستقبلا ببوطنهما إلی وجه ولم يطلب حاجاته قائلا يا رب يا رب فما فعله من الصلوة ناقصة عند الحق سبحانه كذا حقق فی التنوير أعلاء السنن میں اس روایت کی تصحیح موجود ہے اور قیل وقال کا بھی ذکر ہے۔

غرضیکہ مسئلہ مبحوثہ عنہا کا اثباتی پہلو راجح ہے، باقی رہا ائمہ اربعہ کے اقوال، تو مسئلہ مبحوثہ عنہا کے اثبات پر ائمہ اربعہ کے اقوال بھی ذکر کئے جا چکے ہیں جس کے مطالعہ کے بعد مسئلہ بے غبار ہو کر سامنے آجائے گا تاہم اس کی مزید توضیح پیش کی جارہی ہے۔

امام شاطبی کے قول کی توجیہ:

بعض حضرات نے امام شاطبی مالکی کے اقوال سے دعا بہیئت اجتماعی کو بدعت ثابت کیا ہے مگر امام شاطبی کے اقوال جو الاعتصام میں ہیں جس سے امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اس کا بدعت ہونا ثابت ہوتا ہے مگر یہ استدلال تام نہیں چونکہ امام شاطبی کی مراد أنه بدعة سے یہ نہیں ہے کہ یہ عمل مطلقا بدعت ہے اور یہ کیسے فرما سکتے ہیں جب کہ روایات سے اس کا ثبوت ہے جیسا کہ ماسبق میں ان روایات کو ذکر کیا گیا ہے بلکہ "انه بدعة" سے انکی مراد یہ ہے کہ اس پر مواظبت بدعت ہے (بظن أنه سنة الصلوة أو واجب و غير ذلک) جیسا کہ علامہ بنوری علیہ

الرحمہ نے امام شاطبی کے اس قول کی یہی توجیہ بیان فرمائی ہے۔ وما ذكره الشاطبی فی کتاب ''الاعتصام'' مذہب مالک، أنـه بـدعة، فـليحمل على أنه المواظبة به بـدعة لـعـدم استـمـرار عـمـله صلى الله عليه وسلم به لا أن العمل به بـدعة مـطـلـقـاً یا یہ کہئے امام شاطبی کے اس قول میں اس معنی کا بھی احتمال ہے اور ضابطہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال لہٰذا امام شاطبی کے قول سے امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک بدعت کا ثبوت نہیں ہو سکے گا، نیز امام مالک علیہ الرحمہ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ اس میں کچھ کراہت سمجھتے ہیں فرمایا کہ میں اس میں کچھ کراہت نہیں سمجھتا ہاں البتہ ہاتھوں کو بہت زیادہ نہ اٹھائے۔

امام مالک کی رائے:

نیز امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ نماز کے بعد بیٹھے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگ رہے ہیں غرضیکہ جب امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت موجود ہے پھر وہ بدعت کا کیسے قول کر سکتے ہیں۔

علامہ قرافی کے قول کی توجیہ:

شہاب الدین قرافی کے قول سے بھی بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے اس کو بدعت ومکروہ میں داخل فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شہاب الدین قرافی نے دعاء بعد الفرائض بہیئت اجتماعی کو مطلقا مکروہ بدعت قرار نہیں دیا بلکہ

اس کراہت کی انہوں نے وجہ بھی بیان کی ہے کہ امام کے نفس میں اس کی وجہ سے تعاظم وتکبر پیدا ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بدعت مکروہ معلل ہے علت تعاظم و تکبر کے ساتھ لہٰذا جب علت مفقود ہوگی وہاں معلول بھی نہیں پایا جائے گا اور حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ کراہت کسی ایسے عارض کی وجہ سے ہو کہ اس کا وجود اکثر وغالب نہ ہو تو وہ کراہت عارض کے معدوم ہونے کے وقت اباحت فی نفسہ کے معارض نہیں۔

غرضیکہ امام قرافی کے قول سے بھی مطلقاً کراہت پر استدلال درست نہ ہوگا جب کہ وہ معلول بالعلۃ ہے۔

ابن عرفہ کی رائے:

نیز ابن عرفہ کا قول بدعت ہونے کے خلاف ہے جو کہ مالکی ہیں وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اندلس کے بعض ان علماء پر کہ جب انہوں نے یہ سنا کہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو ایک رسالہ اس کی تردید میں تصنیف فرمایا اور یہ رسالہ ''کتاب المعیار'' کے نوازل الصلوۃ میں مرقوم ہے کہ تمام اطراف کے مساجد میں نماز کے بعد دعاء مانگنا بدیہیات میں سے ہے اور استصحاب حال خود ایک حجۃ شرعیہ ہے اور مشرق ومغرب میں تمام مسلمانوں کا اس پر قدیم زمانہ سے مجتمع ومتفق ہونا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس عمل کے جائز اور مستحب اور مستحسن اور علماء مذہب کے نزدیک اس

کے مؤکد ہونیکی دلیل ہے غرضیکہ تمام مشائخ اندلس اس کے بدعت ہونے کے قائل نہیں تھے حالانکہ بعض حضرات نے تمام مشائخ اندلس کی طرف اس کو منسوب کردیا ہے۔ان هذا من اعاجیب الزمن۔

حضرات شوافع کے نزدیک فرائض کے بعد دعاء مستحب ہے:

۲-حضرات شوافع تو اس سلسلہ میں امام نووی کی تصریح کتاب الاذکار کے حوالہ سے گزر چکی ہے کہ وہ استحباب کے قائل ہیں نیز فتح المعین للشوافع کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

حنابلہ کی رائے:

۳-حضرات حنابلہ تو ان میں سے شیخ منصور بن ادریس کا قول جو شرح اقناع میں ہے مسئلہ مبحوثہ عنہا کا مؤید ہے کما ذکرناہ من قبل باقی رہا ابن تیمیہ وابن قیم حنبلی کے متعلق سوال کہ انہوں نے تو بدعت کہا ہے سو وہ بھی سنئے کہ ابن تیمیہ نے مسئلہ مبحوثہ عنہا پر کلام کیا ہے مگر کسی جگہ بھی لفظ بدعت کا استعمال نہیں فرمایا کما هو ظاهر من التحریر السابق و قد بسطناه من قبل باقی رہے ابن قیم تو یہ صحیح ہے کہ انہوں نے بدعت کا دعوی کیا ہے مگر ان کے قول پر بھی معارضہ وارد کیا گیا ہے اور مناقشہ کیا گیا ہے۔ کما أیده عبارة العلامة البنوریؒ و ابن القیمؒ أیضا یدعی أنه بدعة و نوقش، أفاده الشیخ علی محله من کتبه معارف السنن (۳/۴۱۰)

نیز ابن قیم کی کتاب زاد المعاد کا ترجمہ وتشریح باسم خیر العباد مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری نے کی ہے مگر انہوں نے بھی ابن قیم کی کتاب زاد المعاد کے اس مقام پر پہنچ کر ابن قیم کی جم کر احادیث کے ذریعہ تردید کی ہے اور روایات کے ذریعہ ابن قیم کے بدعت کے قول کو باطل کیا ہے اور استحباب کو ثابت کیا ہے۔ فلیراجع۔

حضرات احناف کی رائے:

۴- حضرات احناف، تو احناف کے بے مثال ترجمان علامہ شرنبلالی کا قول بحوالہ نور الایضاح ماسبق میں بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ دعاء اجتماعی بعد المکتوبہ کے استحباب کے قائل ہیں۔ باقی رہے علامہ یوسف بنوریؒ وغیرہ کہ ان حضرات نے بدعت کہا ہے تو اس کے جوابات آچکے ہیں۔ علامہ یوسف بنوری نے بدعت نہیں قرار دیا ہے، اگر بدعت کے قائل ہوتے تو اس کے بدعت ہونے پر دلائل فراہم کرتے، برخلاف اس کے کہ انہوں نے مستحب ہونے پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔ باقی رہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ تو اگر یہ بدعت کے قائل ہوتے تو ان کے اجل تلامذہ وخلیفہ حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہ ہیں وہ ضرور کسی مقام پر نقل فرماتے مگر کسی جگہ بھی یہ ذکر نہیں کہ حضرت نور اللہ مرقدہ اس کے بدعت ہونے کے قائل تھے۔ یہی حال علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے کہ ان کے بھی اجل تلامذہ میں علامہ بنوری علیہ الرحمہ کا شمار ہوتا ہے مگر انہوں نے بھی کہیں یہ نہیں لکھا کہ علامہ کشمیریؒ

اس کے بدعت کے قائل تھے اور اس کو ترک فرمادیا تھا۔ فالی اللہ المشتکی۔

دوسرا جواب:

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ان تین حضرات کے قول کو احناف کے نزدیک اس کے بدعت کے ثبوت پر کافی سمجھتے ہیں اور بدعت کے استدلال پر پیش کرتے ہیں۔ تو ہم دسیوں کے قول وعمل کو اس کے بدعت نہ ہونے کے ثبوت پر پیش کرتے ہیں جو کہ حنفی ہی ہیں مثلاً حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ، رأس الفقہاء خاتم المحدثین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت اقدس مولانا یحیی صاحب کاندھلوی، مفتی کفایت اللہ صاحب نوراللہ مرقدہم، برکۃ العصر بقیۃ السلف حضرت اقدس مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث ادام اللہ ظلالہ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب، حضرت مولانا ابرارالحق حقی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت فیوضہم وغیر ذلک من الاکابرین اب آپ موازنہ فرمائیں کہ کس کا پلہ بھاری ہے۔ یادرہے یہ سب حضرات حنفی المسلک ہیں اور دعاء بعد الفرائض بہیئت اجتماعی میں شرکت کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اگر ان حضرات کے نزدیک بدعت ہوتا تو یہ سب حضرات اپنی جگہ مصلح امت ہیں امت کی گمراہی کو برداشت نہ کرتے اور فوراً روکتے مگر انکار ونکیر کا نہ ہونا یہ دلیل ہے اس بات

کی کہ یہ حضرات بھی بدعت کے قائل نہیں ہیں۔

نیز اگر حضرت تھانوی علیہ الرحمہ و مفتی کفایت اللہ کا فتوی باوجود ان حضرات کے متبحر ہونے کے قابل عمل نہیں ہے تو آپ کے فتوے میں کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ ہم اس کو تسلیم کرلیں جب کہ روایات سے مسئلہ مجوث عنہا کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

باقی رہا یہ اشکال کہ رفع یدین للدعاء بعد الفرائض آداب دعاء میں شامل کرنے کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا بیت الخلاء کے اندر داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت اور وضوء سے قبل و بعد اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا چاہیئے چونکہ آداب دعاء میں سے ہے رفع یدین اور ان مقامات و اوقات میں دعائیں حدیث پاک سے ثابت ہیں پھر تخصیص کی کیا وجہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رفع یدین للدعاء اس وقت ہے جب کہ الفاظ دعاء کو طلب حاجت کے ارادہ و نیت سے نہ پڑھا جائے بلکہ ذکر مسنون کے ارادہ و نیت سے پڑھا جائے تو ان دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں جیسے صبح و شام، اور خواب و بیداری کی دعائیں اور بیت الخلا میں جانے اور نکلنے کی دعائیں اور مسجد میں جانے اور نکلنے کی دعائیں وغیرہ جیسا کہ امام نووی نے ''کتاب الاذکار'' میں اور ابن السنی نے ''عمل الیوم و اللیلۃ'' میں اور علامہ جزریؒ نے حصن حصین میں ان دعاؤں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز

سلف وخلف میں کسی فقیہ یا عالم کونہیں سنا گیا کہ وہ ان دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کے مستحب ومسنون ہونے کے قائل ہوں (برخلاف نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بہت سے حضرات قائل ہیں جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے)۔

اور کیسے قائل ہو سکتے ہیں چونکہ اگر ایسا ہو جائے تو مسلمان کا کوئی بھی وقت ہاتھ اٹھانے سے خالی نہ رہے گا کیونکہ انسان کے ہر نقل وحرکت پر دعاء کا ثبوت ہے اوران کا پڑھنا مسنون ہے پس حرج فی الدین لازم آئے گا اور حرج فی الدین مرفوع ہے نیز جو فرق ونکتہ دعاؤں کے متعلق رفع یدین کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے اس کی تائید فقہاء کرام کے بیان کردہ اس جزئیہ سے بھی ہوتی ہے کہ جنبی وحائضہ ونفساء کے لئے تلاوت قرآن پاک بہ نیت تلاوت ناجائز ہے اور بنیت ذکر ماثور یا طلب حاجت جائز ہے جیسا کہ عام کتب فقہ میں مذکور ہے۔

غرضیکہ **دعاء بعد الصلوة** پرعام دعاؤں کوقیاس کرنا درست نہیں ہے اور **دعاء بعد الصلوة** پرقیاس کرتے ہوئے ہر دعاء کے لئے رفع یدین کوثابت کرنا عدم تبحر فی الفقہ کی دلیل ہے۔

حاصل کلام:

بہر حال یہ بات اس تفصیل سے عیاں ہوگئی کہ فرائض کے بعد اجتماعی طور پر دعاء کرنا اور مقتدیوں کا اس پر آمین کہنا بدعت ہر گز نہیں ہے بلکہ روایات کے ذریعہ کم

ازکم اس کا استحباب ضرور ثابت ہوتا ہے جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

نیز ان روایات کو ضعیف کہنا بھی درست نہیں جن کے ذریعہ دعاء بعد الفرائض اجتماعا کا ثبوت ہوتا ہے چونکہ ماسبق میں بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ مسئلہ جہاں اور روایات کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے وہاں حضرت اسود بن عامر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے اور صراحۃ ثابت ہوتا ہے۔

حضرت اسود بن عامر کی روایت کی تحقیق:

مگر بعض حضرات نے اسود بن عامر کی روایت کی تضعیف کی ہے حالانکہ ائمہ ناقدین کے الفاظ تعدیل ان کے متعلق موجود ہیں۔

۱- معارف السنن میں ہے اسود بن عامر یعنی اسود بن عبد اللہ ابن حاجب ابن عامر من رجال أبي داؤد۔

۲- ابن حبان نے ان کو ثقات میں سے شمار کیا ہے۔

۳- امام ذہبی نے التہذیب میں لکھا ہے محلّہ الصدق اس کے باوجود اس روایت کی تضعیف محتاج دلیل ہے۔

حدیث انس کی تحقیق:

باقی رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت تو ان کی سند میں عبد العزیز بن

عبدالرحمٰن ہیں جن کے سلسلہ میں ناقدین حدیث نے کلام کیا ہے جس کی وجہ سے بعض نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے مگر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ محدثین کا ضابطہ ہے کہ ضعیف روایت بھی فضائل کے باب میں قابل قبول ہوتی ہے، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہے، لہٰذا اس کے قبول میں بھی کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے، چنانچہ علامہ بنوریؒ نے بھی حضرت انس کی اس روایت کی تخریج کے بعد انہیں الفاظ سے اس کے قابل قبول و قابل عمل ہونے کی تائید کی ہے، فرماتے ہیں: **و الضعیف یعمل به فی الفضائل فلاحرج إذن** (معارف السنن: ۱۲۳/۳)۔

نیز مسئلہ مجوثہ عنہا پر حضرات علماء متقدمین و متأخرین دونوں کے رشحات قلم پائے جاتے ہیں، چنانچہ علماء متقدمین میں سے منذری وغیرہ نے اس موضوع پر کلام کیا ہے اور علماء متأخرین میں سے علامہ سیوطی وغیرہ نے اس پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نیز حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی النفائس المرغوبہ مسئلہ مذکورہ پر کافی و وافی ہے۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا رسالہ استحباب الدعوات بھی مسئلہ مجوثہ عنہا کا اثباتی ترجمان ہے اس کے علاوہ اور بہت سی تصنیفات ہیں، مقالات ہیں، تحریرات ہیں خادم کا مقصود صرف ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا تھا جو مفتی فیض اللہ صاحب کے رشحات قلم سے پیدا ہوئی تھیں اور عوام کو اس کشمکش سے دور کرنا تھا، اور علماء کے ساتھ بدظنی قائم کرنے سے محفوظ رکھنا تھا، اور مفتی صاحب کے بدعت کے قول کی تردید مطمح نظر و مقصود بالذات تھی۔ اور اصل مسئلہ سے عوام کو روشناس کرانا اپنا فریضہ تھا سو بحمد اللہ

باحسن وجوہ پورا ہوگیا۔ لہٰذا عوام اس کے بدعت ہونے کو ذہن سے نکال دیں اور ہر نماز کے بعد اجتماعی دعاء میں شرکت کریں مستحب ہونے کی حیثیت سے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی

خادم دارالافتاء جامعہ عربیہ ریاض العلوم گورینی چوکیہ جونپور

۱۰؍صفر ۱۴۰۱ھ

مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

فکر حبیب

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر معاشرہ صالح ہوتا ہے تو عموی طور پر لوگوں میں صلاح کے جذبات ابھرتے ہیں اور اگر معاشرہ صالح نہیں ہوتا تو صلحاء کا صلاح بھی متاثر ہونے لگتا ہے، اگر ماحول بدبودار ہے تو غیر اختیاری طور پر بھی انسان بدبو سے متاثر ہوتا ہے چاہے لاکھ اپنے کو اس سے بچائے نیز بگڑے ہوئے معاشرہ کو درست کرنے کی سعی ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے، الحمد للہ چند سالوں سے ہندوستان میں اجتماعی طور پر مختلف جماعتیں جنگی پیمانہ پر اصلاح معاشرہ کی عظیم خدمت انجام دے رہی ہیں، ان جماعتوں میں جمعیۃ علماء ہند بھی ہے جو ہر سال اصلاح معاشرہ کا ایک عشرہ منارہی ہے اور باضابطہ پورے ہندوستان میں منظّم طور پر وفود بھیجے جاتے ہیں اور معاشرتی خرابیاں اور اس کے نقصانات وخطرناک نتائج سے امت کو روشناس کرایا جاتا ہے۔ الحمد للہ اس سلسلہ میں اس خادم کا بھی دو سفر ہوا، پہلا سفر چمپارن، موتیہاری، ڈھاکہ، بتیا، مظفرپور، سمستی پور، دربھنگہ وغیرہ کا اور دوسرا سفر سیوان، سمستی پور، سیتامڑھی، چمپارن، موتیہاری، ڈھاکہ، حاجی پور، پٹنہ وغیرہ کا اور ہر جگہ لوگوں نے اس تحریک کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور سراہا۔ کام آگے بڑھا تقریر کے

ساتھ ضرورت محسوس ہوئی کہ مسلم معاشرہ کی تباہی کے جو اسباب وعوامل ہیں ان کو تحریری شکل دے کر امت تک پہنچایا جائے تاکہ امت سنجیدگی سے اس پر غور کرے اور منکرات وفواحش سے معاشرہ کی تطہیر کی فکر کرے۔ چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک معمولی کوشش زیر نظر رسالہ ہے جس میں معاشرتی برائیوں کے نقصانات ونتائج بد پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ دعاء ہے اللہ پاک اس رسالہ کو اصلاح معاشرہ کے لئے معین بنائے اور خادم کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔

فقط

یلوح الخط فی القرطاس دھرا

وکاتبہ رمیم فی التراب

مفتی حبیب اللہ قاسمی

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم دارالعلوم مہذب پور، پوسٹ سنجر پور، اعظم گڑھ (یوپی)

۱۰/۶/۱۴۱۵ھ

مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں

یہ مسلمات میں سے ہے کہ جیسا معاشرہ ہوتا ہے اس سے ویسے ہی افراد تیار ہوتے ہیں اور افراد کے مجموعہ کا نام معاشرہ ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو جہاں سب کچھ دیا اسلامی معاشرہ بھی دیا تھا، لیکن آج ہمارے معاشرہ پر اغیار کا ان کے رسم و رواج کا اس قدر تسلط ہے کہ الأمان الحفیظ۔ درج ذیل سطور میں ہم ان تباہ کاریوں میں سے چند کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں:

زنا کی تباہ کاری:

جنسی تسکین کی جن صورتوں کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے، زنا اس سے خارج ہے، اسی وجہ سے اسلام نے اسے حرام وممنوع ہی قرار نہیں دیا، بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی روکا ہے ”زنا کے قریب نہ جاؤ چونکہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے“ (بنی اسرائیل) اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرنا یہ اہل ایمان کا طرۂ امتیاز ہے۔ (سورہ شوریٰ) رحمٰن کے بندوں کی یہ شان وصفت نہیں وہ ان داغ دھبوں سے اپنے کو محفوظ رکھتے ہیں (سورہ فرقان) اور کامیاب مؤمن وہی ہے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (سورہ المؤمنون) حدود وقیود کی رعایت کے بغیر شہوت رانی جانور

پنا ہے جس کا انسانیت سے دور کا بھی رشتہ نہیں۔ البتہ حدود کے اندر رہتے ہوئے جنسی تسکین ان نفوس قدسیہ برگزیدہ بندوں کا اسوہ رہا ہے جن پر رحمت الٰہی ہر آن و ہر ساعت سایہ فگن رہتی تھی، جنہوں نے انسانیت کی کشتی کو جذبات و خواہشات کے منجدھار سے نکال کر ہوش وخرد کے ساحل سے ہمکنار کیا، جنہوں نے آدمیت کی صحیح قدر کی اوراس کو کامیابی کے گراور ناکامی کے اسباب بتائے، جن کی مساعی جمیلہ سے دنیا کو ایسا معاشرہ ملا جس میں جوش وہوش اور جذبات وعقل کا توازن برقرار رہا، جن کی تربیت سے جذبات کے دیوانے دانشوران وقت بن گئے اور فہم وبصیرت کے اندھے عقل وخرد کے ایسے تاجدار ہوئے کہ فکرو دانش ان پر ناز کرتی ہے جن کا کردار اتنا بے داغ تھا کہ آفتاب رشک کرتا تھا اور جن کی سیرت کی بلندی پر رفعت انجم شرمندہ تھی۔

امت کے لئے قابل اقتداء شخصیات:

ہمارے لئے قابل اقتداء امت کے یہی آفتاب وماہتاب ہیں ان کی زندگی اسلام کا درخشندہ ایک باب ہے، لیکن افسوس روشنی کے مینار پر کھڑے ہوکر اس طرح بھٹک رہے ہیں جیسے کوئی گم گشتہ راہ حیران وپریشان ہوتا ہے، یادرکھیں جو قوم بھی جنسی آوارگی میں مبتلا ہوئی وہ نامرادو ناکام ہوئی، اس اندھے کی طرح تباہی کے غار میں گر کر ہلاک و برباد ہوئی جس کا کوئی دستگیر نہ ہو، جذبات کی آندھی جب بصیرت کے چراغ کو گل کردیتی ہے تو خیروشر کا امتیاز ختم ہوجاتا ہے، لیکن ایسی قوم پھر ندرگل ہوجاتی

ہے اور یہی تاریخ کا فیصلہ ہے۔

خدا ترسی فطرت کا تقاضہ ہے:

یہ بات ذہنوں میں رہنی چاہیئے کہ خدا ترسی، پرہیز گاری، تقوی وطہارت عین تقاضائے فطرت ہیں، یہ ایسی آواز ہے جو انسان کے اندرون سے اٹھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عفت وعصمت کے تصور سے انسان کی فطرت اِبا نہیں کرتی، بلکہ آگے بڑھ کراس کا استقبال اور خیر مقدم کرتی ہے اور نتیجہ کے طور پر اس کو ایسا نور نصیب ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا چلا جاتا ہے اور ضمیر کی یہ صدا جو برائی کی راہ کا سنگ گراں ہے، اگر اسے مسلسل دبایا گیا تو یہ آواز دھیمی ہوجاتی ہے اور برائی کی راہ پر برق رفتاری کے ساتھ چل پڑتا ہے۔

اسلام نے برائی کے راستوں پر چوکیدار بٹھا دیا ہے:

اسی وجہ سے اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ ضمیر کو ایسا طاقتور بنایا ہے تا کہ یہ برائی کے ان راستوں کی بھی چوکیداری کرے جہاں قانون کا خوف بدنامی کا اندیشہ اور معاشرہ کا دباؤ محافظت سے قاصر ہیں۔ ہر شخص عیاشی و بدکاری کو انسانیت کے لئے تباہ کن و مہلک سمجھتا ہے اور یقیناً مہلک ہے، لیکن اس تباہی سے امت کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ جرائم پرور ماحول میں تبدیلی لائی جائے اور ایسے معاشرہ کی تشکیل کی جائے جس میں عفت و پاکدامنی کی نشو ونما ہوسکے اور اس کے لئے

اجتماعی قوت کی ضرورت ہے۔

انسانیت کے آلودۂ معصیت ہونے کے اسباب:

اس لئے کہ موجودہ تہذیب وتمدن کا کوئی جزء ایسا نہیں جس پر شہوانیت اور خواہش نفس کا تسلط نہ ہو، فحش لٹریچر، ننگی تصویریں، سمینا، ٹی وی، عریاں لباس، عورت و مرد کا آزادانہ اختلاط، رقص وسرور کی ہیجان انگیز محفلیں، بے پردگی، یہ وہ اسباب ہیں جن سے انسانیت آلودہ معصیت ہوتی ہے۔

اسلامی تعلیمات کی گرفت کا احساس ہونا چاہئے:

لیکن ایک مسلمان کے لئے اسلامی تعلیمات میں ایسے عوامل باحسن وجوہ موجود ہیں جو اس کے ارادہ وعمل پر شب وروز خفیہ وعلانیہ ہر حال میں یکساں حکمرانی کرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں ان کی گرفت ڈھیلی ہوجاتی ہو۔ ظاہری وباطنی سارے گناہوں کو چھوڑ و بلاشبہ جو لوگ گناہ کے مرتکب ہیں انہیں ان کی بدعملی کی سزامل کر رہے گی (سورۃ الانعام)۔

اسلام ارتکاب معصیت کو برداشت نہیں کرتا:

الغرض معصیت وفحاشی کا ظہور جس شکل اور جس رنگ میں بھی ہو اس کے جواز کی سند اسلام کی جانب سے نہیں مل سکتی، کیونکہ وہ جس نقشہ پر فرد کی تربیت اور معاشرہ

کی تعمیر چاہتا ہے اس میں گناہ کی کسی بھی صورت کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام کے پیش نظر حیوانوں کا جنگل بسانا نہیں ہے:

اسلام کے پیش نظر حیوانوں کا کوئی جنگل نہیں بسانا ہے، جس میں آدمی ہر طرف چرتا چگتا اور شہوت رانی کرتا پھرے، بلکہ وہ انسانوں کی ایسی بستی آباد کرنا چاہتا ہے جو انسانیت اور شرافت واخلاق کا گہوارہ ہو جو صفات حسنہ اور پاکیزہ کردار کو نشو ونما دے سکے۔

اسلام انسان کو انسانیت کے ڈھانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے:

اسلام انسان کو انسانیت کے سانچے میں ڈھالتا ہے تاکہ اس کا ہر نقش پا کردار کی پاکیزگی اور حسن سیرت کا نشان بن جائے، اور اس کے پاک انفاس سے روح کو بالیدگی اور احساسات کو جلا نصیب ہو۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ آج کا مسلمان ان تعلیمات کو فراموش کر چکا ہے، اسے اپنے اسلاف کا کردار یاد نہیں۔ اسلام کا عطا کردہ پاکیزہ معاشرہ یاد نہیں۔

شراب نوشی کی تباہ کاریاں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل انسانوں پر ایک دور وہ گزرا ہے جس میں شراب کو دستر خوان کی زینت ہی نہیں بلکہ خلاصہ سمجھا جاتا تھا، شراب کے اس

قدر شیدائی تھے کہ ہزاروں ہزار روپیہ اس پر برباد کرنا ان کے لئے باعث فخر تھا قیمتی برتن اس کے لئے مہیا کئے جاتے تھے، شراب کہنہ کے استعمال کا ذوق ایسا بن گیا تھا کہ شعر وسخن میں بھی اس کی جھلک نظر آتی تھی بلکہ وہ کلام داد کے لائق نہیں ہوتا تھا جس میں بوئے خمر اور ذوق شراب نہ ہو۔

اسلام کا اعلان حرمتِ شراب:

لیکن اسلام نے بالتدریج اس کی قباحت وشناعت سے روشناس کرایا بالآخر ایک دن وہ آیا کہ اسلام کے منادی نے حرمت شراب کی ندا لگائی پھر کسی نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ اعلان کرنے والا کون ہے؟ جونہی کان میں یہ آواز پڑی کہ آج سے شراب حرام کردی گئی، لوگوں نے اطاعت وفرمانبرداری کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی، فوراً سارے مٹکے توڑ دیئے گئے اور گلیوں میں شراب اس طرح بہنے لگی جس طرح برسات کا پانی بہا کرتا ہے، اس کے بعد کسی نے پھوٹی نگاہ بھی شراب پر نہیں ڈالی۔

اسلام اور آج کا معاشرہ:

لیکن افسوس آج پھر ہمارا معاشرہ تیزی کے ساتھ زمانہ جاہلیت کے رخ پر جارہا ہے، معاشرہ شراب نوشی کے گھناؤنے عمل کی زد میں اس طرح آ گیا ہے جیسے یہ کوئی احتراز کی چیز ہی نہیں ہے اور بہت سرعت کے ساتھ مسلم نوجوان اس کا دلدادہ

ہوکر اپنے دین ودنیا کو برباد کر رہا ہے، ٹی وی، وی سی آر، سینما بینی، زنا کاری کیا کم مصیبت وباعث تباہی تھی، شراب نوشی نے دین وایمان کا کباڑہ کر کے رکھ دیا ہے۔

شراب کے سلسلہ میں ارشادات نبوی:

ہم درج ذیل سطور میں شراب نوشی کے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چند روایتیں نقل کر کے ہم مسلم نوجوان کو زحمت قرأت دے رہے ہیں، پڑھیں اور سوچیں۔

۱- شرابی شراب پیتے وقت مؤمن نہیں ہوتا (بخاری ومسلم)۔

۲- شرابی سے اللہ پاک ایمان اس طرح نکال دیتے ہیں جس طرح قمیص کو اپنے سر سے نکال دیتا ہے (حاکم)۔

۳- شراب، شرابی، بیچنے والا، خریدنے والا، پلانے والا سب اللہ کی نگاہ میں ملعون ہیں (ابوداؤد)۔

۴- شرابی کی صورتیں مسخ ہوسکتی ہیں، بندر وخنزیر اللہ پاک بنادیں گے (بیہقی)۔

۵- مؤمن کی شان سے بعید تر ہے کہ شراب پیئے یا ایسے دسترخوان پر بیٹھے جس پر شراب پلائی جائے (طبرانی)۔

۶- شراب سے بچو، شراب گناہوں کو اسی طرح پیدا کرتا ہے جس طرح درخت سے ٹہنیاں اور شاخیں پیدا ہوتی ہیں (ابن ماجہ)۔

۷- شرابی جنت میں نہیں جائے گا (حاکم)۔

۸- شرابی اور بت کا پجاری برابر ہیں، یعنی شرابی کا حشر مشرکین کے ساتھ ہوگا (احمد)۔

۹- شرابی جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا جب کہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت پر سونگھائی دے گی (طبرانی)۔

۱۰- شراب سے بچو اس لئے کہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے (حاکم)۔

۱۱- شرابی کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی اور اگر موت اس حالت میں آئی کہ اس کے مثانہ میں شراب کا ایک ذرہ بھی ہوا تو اس پر جنت حرام کر دی جاتی ہے اور شراب پینے کے بعد چالیس دن کے اندر موت آ گئی تو اس کی موت زمانہ جاہلیت کی موت ہوگی (طبرانی)۔

۱۲- شراب کی حرمت کے بعد شراب کو ایمان والے شرک کے برابر سمجھنے لگے (طبرانی)۔

۱۳- شرابی قیامت کے دن جان لیوا پیاس کی حالت میں آئے گا (ابو یعلی)۔

۱۴- شرابی کے دل سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے (طبرانی)۔

۱۵- شرابی کو جہنم کا کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا (بزار)۔

۱۶- شرابی کو جہنمیوں کی پیپ پلائی جائے گی (طبرانی)۔

۱۷- شرابی کی موت نشہ کی حالت میں آ گئی تو اس کی موت کفر پر آئی، یعنی وہ

کافروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا (نسائی)۔

۱۸۔ شرابی کو زانیہ عورتوں کا حیض (خون) پلایا جائے گا۔ (الترغیب والترہیب)

ان روایتوں کو غور سے پڑھیں اور شرابی اپنا انجام سوچے تھوڑی دیر کی لذت کے لئے دنیا و آخرت کو تباہ کر لینا یہ کون سی عقلمندی ہے۔

شراب کے نقصانات:

اب ہم خلاصہ کے طور پر شراب کے نقصانات اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں۔

۱۔ شرابی سے ایمان کے انوارات سلب کر لئے جاتے ہیں اور ظلمت و تاریکی میں انتہائی حیرانی و پریشانی میں زندگی گزارتا ہے۔

۲۔ شرابی اللہ کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور اللہ کی رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ شرابی ہموم و غموم افکار و ظنون مسلسل کا شکار ہو جاتا ہے، اس کی روزی تنگ، اس کی زندگی تلخ، اعضاء مفلوج، اعصاب جواب دے دیتے ہیں اور اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ زمین میں دھنسا دیا جائے یا صورت مسخ کر دی جائے بندر و خنزیر بنا دیا جائے۔

۴۔ شراب پینے کی جرأت وہی کرتا ہے جس کے دل سے خدائے پاک کا اعتماد۔

ماننے والا مزاج اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نکل جاتی ہے۔

۵- شرابی دیگر بہت سے ایسے گناہوں کا عادی بن جاتا ہے جن کا غیر شرابی تصور بھی نہیں کرسکتا ہے۔

۶- شرابی کو قیامت کے دن کھولتا ہوا پانی، جہنمیوں کی پیپ اور زانیہ عورتوں کی شرمگاہ کی رطوبت اور خون پلایا جائے گا۔

۷- شرابی پر اللہ پاک جنت کو حرام فرمادیتے ہیں وہ جنت کا مستحق نہیں ہوتا۔

۸- شرابی کو وہی سزا دی جائے گی جو ایک کافر ومشرک بت کے پوجنے والے کو دی جائے گی۔

۹- شرابی قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ وہ پیاس سے تڑپ رہا ہوگا جان لیوا پیاس میں مبتلا ہوگا لیکن پانی نہیں دیا جائے گا۔

۱۰- شرابی جب شراب پیتا ہے تو اس کے بعد چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی سب رد کردی جاتی ہے۔

۱۱- شرابی قابل توہین وتذلیل ہے قابل اکرام واحترام نہیں، نیز اسلامی نظام میں کوڑوں کا مستحق ہے، لہٰذا شرابی کو قابل اکرام واحترام ہرگز نہ بنایا جائے جب تک صدق دل سے پکی توبہ نہ کرلے۔

۱۲- شرابی اللہ کی غضب کا مستحق ہوتا ہے اگر اسی حالت میں موت آگئی تو اللہ

کے جملہ ثواب ورحمتوں سے محروم کردیا جاتا ہے۔

۱۳- شرابی کومختلف انداز کی سزائیں قبر میں بھی دی جاتی ہیں جو غیر شرابی کونہیں دی جاتیں۔

۱۴- شرابی کا مال ضائع ہوجاتا ہے، عقل ضائع ہوجاتی ہے، وقار ضائع ہوجاتا ہے، احترام ختم ہوجاتا ہے، لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، معاشرہ کا بدنما داغ بن کررہ جاتا ہے، ہر وقت اللہ کی پکڑ کے خطرہ میں رہتا ہے، بے عزتی ورسوائی کا مستحق ہوجاتا ہے۔

بطور خلاصہ کے چند نقصانات شراب کے نذر قارئین ہیں غور سے پڑھیں، دوسروں کو پڑھائیں، خود بھی بچیں دوسروں کو بچائیں معاشرہ کو بچائیں، اسلام اوراس کے شعائر واحکام کی حفاظت کی ذمہ داری ہر مسلمان کی ہے، اللہ پاک پوری امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے آمین۔

گانا باجا کی تباہ کاری:

انسان کو اللہ پاک نے اشرف المخلوقات بنایا ہے، یہی وجہ ہے کہ اشکال، الوان، اعمال، افعال بھی اشرف بنائے ہیں۔ دیگر مخلوقات کے برعکس ذکاوت و فطانت، ودیگر اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک بنایا ہے، قوت شہوانیہ وغضبانیہ کے ساتھ قوت عاقلہ اس میں ودیعت رکھی ہے لیکن آج کا انسان ومسلمان انسانی واسلامی تقاضوں

سے کوسوں دور جا چکا ہے، مسلمانوں نے معاشرہ میں ایسی چیزیں داخل کرلی ہیں جو اسلام کے لئے ناسور ہیں، بڑی تیزی کے ساتھ مسلم معاشرہ تباہی و بربادی کی طرف بڑھتا جارہا ہے اور مسلمان تماشائی کی حیثیت سے کھڑا دیکھ رہا ہے۔

آج کے مسلمانوں کی بدحالی:

آج ہم ایک طرف ماضی فراموش کئے بیٹھے ہیں تو دوسری طرف مستقبل سے بے خوف ہیں، آج ہمیں یہ سوچنے کی فرصت نہیں کہ آخر ہم دنیا میں کیوں آئے؟ ہماری ثروت وقوت کا مصرف کیا ہے؟ ہماری صلاحیت ولیاقت کا مرکز کیا ہے؟ ہمیں مرنا ہے یا نہیں؟ مرنے کے بعد ہمارا انجام کیا ہوگا؟ ہماری نسلوں کا حال کیا ہوگا؟ آج مسلم معاشرہ منکرات وفواحش، ناجائز ومحرمات میں سے کس چیز سے خالی ہے؟ اگر ایک طبقہ زناکاری میں مبتلا ہے تو دوسرا طبقہ شراب نوشی میں مست ہے۔ چوری ہو یا ڈاکہ، سنیما بینی ہو یا ٹی وی، سٹہ اور جوا ہو یا گانا وباجا وہ کون سا گناہ ہے جسے مسلمان نے تفریح طبع کا سامان نہیں بنا رکھا ہے؟ اور مزے کے ساتھ نہیں کر رہا ہے؟

گانا باجہ اور مسلمان:

گانے باجے نے معاشرہ کو اس طرح لپیٹا ہے کہ بچوں سے لے کر بوڑھے تک اس میں ملوث ہیں ریڈیو ہو یا ٹی وی، وی سی آر ہو یا ٹیپ ہر جگہ گانے اور باجے کی دھوم مچی ہے اور آج اسی کو ترقی کا معیار سمجھا جارہا ہے، حالانکہ اسلام سے بیگانگی اور مقصد

حیات سے غافل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے، امریکہ اور لبنان کی فلمی صنعت کے اثرات اور ہندوستانی گلوکاراؤں واداکاراؤں کی جادہ و پیاں سے کون واقف نہیں۔

گانے باجے کے مہلک اثرات:

انسانی تاریخ اس بات کی شاہد ہے جو قوم گانے بجانے میں مصروف ہوئی وہ تباہ وبرباد ہوئی، قعر مذلت کے سوا اس کا کوئی مسکن نہیں رہا، کیا آپ نے روم وایران جیسی عظیم قوموں کی تباہی کے اسباب نہیں پڑھے؟ کیا آپ نے اپنے زوال کی تاریخ نہیں دیکھی؟ کیا محمد شاہ رنگیلے کی سوانح نظر سے نہیں گزری؟ کیا آج ہمارے معاشرہ میں قرآن نہیں رہا؟ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نہیں رہیں؟ کیا ہم نے گانے باجے کے بارے میں دربار رسالت سے رجوع کیا؟ کیا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ فریضہ نہیں بنتا ہے کہ اپنے اعمال پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگوانے کے بعد ہی قبول کریں؟ آئیے دربار رسالت کا فتوی سنئے:

گانے باجے کے سلسلہ میں ارشادات نبوی:

۱- عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے، شراب پئیں گے، اس کا نام بدل دیں گے، ان کے سروں پر ناچ گانے ہوں گے اللہ ایسے لوگوں کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض کو خنزیر و بندر بنا دے گا۔

۲- اس امت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کب ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گانے والی عورتیں اور باجوں کا عام رواج ہو جائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔

۳- قربِ قیامت میں میری امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندروں اور خنزیروں کی صورتوں میں بدل دیا جائے گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ صحابہؓ نے پوچھا پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ باجوں اور مغنیہ عورتوں کے عادی ہو جائیں گے، شرابیں پیا کریں گے، ایک شب جب وہ شراب نوشی اور لہو ولعب میں مشغول ہوں گے، صبح اس حال میں کریں گے کہ ان کی صورتیں مسخ ہو چکی ہوں گی۔

۴- دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک زمین دھنسنے، پتھروں کی بارش ہونے اور صورت بگڑنے کے واقعات نہ ہوں گے، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ایسا کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا جب تم دیکھو کہ عورتیں زمین پر سوار ہونے لگیں (یعنی ڈرائیورنگ کرنے لگیں) اور گانے والیوں کی کثرت ہو جائے اور جھوٹی گواہیاں عام ہو جائیں اور مرد مردوں کو اور عورتیں عورتوں

کو کافی سمجھنے لگیں (یعنی تسکین جذبات کے لئے)۔

۵- میری امت پر جوا، طبل، بانسری، شراب کو اللہ نے حرام کیا ہے۔

۶- گانا گانے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

۷- گانا باجا سننا معصیت، گناہ ہے اور سننے کے لئے بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندوز ہونا کفر ہے۔

۸- میں گانے و باجے کے آلات کو توڑنے اور مٹانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

۹- گانے والی عورتوں کی کمائی اور ان کا گانا دونوں حرام ہیں۔ دربار رسالت کے یہ چند فتوے ہیں، زبان رسالت سے صادر ہوئے ہیں۔ ان ارشادات کی روشنی میں ہم اب اپنے معاشرہ کا احتساب کریں کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں؟

گانے باجے کے بارہ میں صحابہ واسلاف کا عمل:

اب آیئے آپ کے ہم نشینوں و متبعین کا تعامل اور سنت کی اتباع و دین دیکھئے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک بار ایک چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں پر انگلیاں رکھ لیں اور اپنی سواری کو راستے سے موڑ لیا، پھر کہنے لگے نافع آواز آ رہی ہے؟ میں نے عرض کیا جی آپ چلتے رہیں حتی کہ میں نے عرض کیا اب آواز نہیں آ رہی ہے، تب آپ نے کانوں پر سے ہاتھ ہٹائے اور اسی راستہ پر آ گئے جسے چھوڑا تھا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے

چرواہے کی بانسری کی آواز سن کر ایسا ہی کیا تھا۔ یزید بن ولید نے بنوامیہ سے کہا اے بنوامیہ تم گانے سے بچو کیونکہ یہ شرم وحیا کو گھٹاتا ہے، شہوت ونفسانیت کو بڑھاتا ہے اخلاق ومروت کو ختم کرتا ہے۔ یہ شراب کا نائب ہے، نشہ کا کام کرتا ہے، گانا زنا کا محرک ہے، حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں گانا باجا مال کے ضیاع، خدا کی ناراضگی اور دل کے بگاڑ کا سبب ہے۔

زناکاری کے اسباب:

آج مسلم معاشرے میں زناکاری وبدکاری کا سب سے بڑا سبب باہر سینما بینی اور اندر ٹی وی دیکھنا ہے۔ ٹی وی پر جس انداز کے سیریل آتے ہیں اس سے بچوں کے جو جذبات بنتے ہیں اس سے ہر دانشمند واقف ہے۔ لیکن افسوس اپنے گھر کو جلتا ہوا دیکھ کر بجائے اس کو بجھانے کے اس پر پٹرول ڈال کر آگ تیز کر رہے ہیں اور جب مکان خاکستر ہو جاتا ہے تو روتے پھرتے ہیں! لوگو میری مدد کرو میرا گھر خاکستر ہو گیا ہے۔

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ بھی تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو
آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے!
راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو

ٹی وی کے نتائج بد:

مسلم معاشرہ کی تباہ کاریوں کا ایک اہم جزء ٹی وی بھی ہے جس کی وجہ سے پورا معاشرہ جہنم کدہ بنا ہوا ہے، اوراس کے دوررس نتائج بد سے صرف نظر کیا جارہا ہے، اس سلسلہ میں پروفیسر سید شمیم احمد باروی صاحب کا ایک مضمون جو رسالہ ''بحث ونظر'' پھلواری شریف پٹنہ میں شائع ہوا تھا اس کا ایک اقتباس نذر قارئین کررہا ہوں۔

ٹی وی کے نتائج:

ٹی وی کے جملہ پروگراموں کے ذریعہ جو اثرات ونتائج مرتب ہورہے ہیں، وہ ہر لحاظ سے اس لائق ہیں کہ اس پر حقیقت پسندی اور ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کیا جائے، جدید ٹی وی شیویلائزیشن کے طلوع ہونے کی خطرناکی کو تو آرٹ فن کے دلدادہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس نئی تہذیب کی بنیادی ہی نفس پرستی اور شہوت پرستی پر قائم ہے جس سے بے حیائی اور فحاشی کا دوردورہ ہورہا ہے، ہماری زندگی کا معیار قرآنی احکامات اور اسوہ نبی نہ ہوکر نئی تہذیب کے داعی اور ان کا مکروہ عمل ہوگیا ہے، معیار زندگی کا اسٹائل، وضع قطع، رہن سہن، آرائش وزیبائش، لباس، طرز تکلم، انداز گفتگو، معاملات، تعلقات غرض کہ زندگی کے تمام گوشوں میں سنیما، ٹی وی سیریلوں کی چھاپ نظر آتی ہے۔ اسلام جس تشخص کا تقاضا کرتا ہے وہ ناپید ہوتا جارہا ہے۔ داڑھی، ٹوپی، اور عمامہ جیسی سنتیں جن کا تعلق شناخت سے ہے نہ صرف متروک ہورہی ہیں، بلکہ فرسودہ وغیر

مہذب سمجھی جارہی ہیں۔ یہ مسئلہ اس لئے اہم ہے کہ مسلمان اپنی شناخت چھوڑ کر غیروں سے مماثلت پراتر آیا ہے، جس کے بارے میں حدیث میں وعید آئی ہے۔

''ہر شخص کا حشر اس قوم کے ساتھ ہوگا جس میں وہ نظر آئے گا'' (ابوداؤد)۔

مسلمانوں کا حالِ بد:

مسلم خواتین کی بے حجابی انتہا کو پہنچ چکی ہے، ان کا لباس ستر کی شرائط پوری نہیں کررہا ہے، غیر مردوں کے ساتھ اختلاط میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، نئے نئے فیشنوں پر فضول خرچیاں ہورہی ہیں، آخرت کی فکر اور ثواب وگناہ سے بے توجہی بڑھتی جارہی ہے، قلوب زنگ آلود ہوتے جارہے ہیں۔ الغرض ہر قسم کی برائیاں جو ایمان وعمل کے منافی ہیں پیدا ہورہی ہیں۔ برادران وطن نے اپنے خود ساختہ بھگوانوں اور دیوی دیوتاؤں کے ساتھ جس پست جاہلیت کا معاملہ کیا ہے اسی طرز پر یہود ونصاری نے بھی انبیاء کرام کی بے حرمتی کی ہے، انہوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کو سینما کے پردے پر پیش کر کے گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔

مسلمان اور یہود ونصاری:

جب مسلمان بھی اس مکروہ فعل میں شامل ہوگئے تو انہوں نے بھی یہود ونصاری کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک فلم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کو

اسکرین پر پیش کر کے عالم اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، زبردست عالمی احتجاج کے بعد حضور کے کردار کو تو فلم سے نکال دیا گیا، لیکن حضرت حمزہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہما و دیگر صحابہ کے کردار کو مسلمان آج اسکرین کے پردے پر دیکھ رہا ہے، حتی کہ صحابیہ کے کردار بھی اسکرین کی زینت بن رہے ہیں، ان متبرک نفوس کے کردار کو بدکار اور فاحشہ اداکارہ نبھا رہی ہیں۔ اس نوع کے جرم عظیم کے مرتکب ہونے اور اس کے نتائج کے متعلق سوچنے اور غور کرنے کی صلاحیت لگتا ہے، مسلمانوں کے اندر سے مفقود ہو گئی ہے، حال ہی میں دوردرشن نے مختلف انبیاء کرام کے کردار پر مبنی ایک سیریل فلم بنانے کا اعلان کیا ہے۔ حیرت وافسوس کا مقام ہے کہ ہم کس مقام پر پہنچ گئے ہیں؟ بت پرستی کا دروازہ نئے انداز میں کھل گیا ہے، اولیاء اللہ کی تصاویر تو قبل سے ہی کچھ گھروں میں ٹانگ کر رکھی جا رہی ہیں بہت جلد انبیاء کرام کی تصاویر بھی مسلمانوں کے گھروں کی زینت بننے والی ہیں۔

مسلم بچوں پر ٹی وی کے اثرات:

بچوں کی نشوونما پر ٹی وی پروگراموں کے پڑنے والے اثرات دل ہلا دینے والے ہیں، قبل از وقت بچے شہوانیت اور حیوانیت کے دلدل میں گر رہے ہیں۔ نوجوان بچے اسکول وکالج میں پہنچ کر اپنے آپ کو تین شیطانی قوتوں سے گھرا پاتے ہیں۔ سنیما اور ٹی وی کے پروگرام جو شہوانی محبت اور حیوانی جذبات کو نہ صرف

بھڑکاتے ہیں بلکہ اس کی جانب بڑھنے کا عملی سبق بھی دیتے ہیں۔ ٹی وی وسینما کے چلن سے جو فواحش و منکرات کا دور دورہ نظر آتا ہے اس کے متعلق احادیث میں پیشنگوئیاں بھی ملتی ہیں، قرب قیامت کے فتنوں سے متعلق احادیث مثلاً خواتین کا بے حیا ہو جانا، کپڑا پہن کر بھی ننگا رہنا، لونڈیوں کا اپنے آقا کو جننا، بکریاں چرانے والوں کا بڑی بڑی عمارتیں بنوانا، خواتین کا اونٹ کے کوہان جیسا جوڑہ باندھنا وغیرہ عملی طور پر حقیقت نظر آرہی ہیں، اس سلسلے میں ایک پیشن گوئی کا اطلاق صدفی صد ٹی وی پر ہوتا ہے۔

''ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہر گھر سے ناچ اور گانے کی آوازیں آئیں گی''۔

مسلمانوں کے گھروں کا حال زار:

اس گئے گزرے دور میں مسلمانوں کے اندر عمومی طور پر طوائفوں اور رقاصاؤں کو گھروں میں بلا کر رقص و سرور کی محفلیں جمانے کا رواج نہیں پڑا ہے۔ لیکن پھر بھی ہر گھر سے ناچ اور گانے کی صدائیں مسلسل آرہی ہیں، ٹی وی تقریباً تمام گھروں میں موجود ہے۔ جس سے ٹیلی کاسٹ ہونے والے تفریحی پروگراموں کے تحت دنیا بھر کے تمام رقص و نغموں کی صدائیں گھروں سے بلند ہو رہی ہیں۔ گنتی کے چند گھر ہی اس سے مستثنیٰ نظر آئیں گے۔ انتہائی عبرت کا مقام ہے کہ حضور نے اپنی امت کو اس قسم کے فتنوں سے خبردار کرتے ہوئے سینکڑوں سال قبل اس کی پیشن گوئی

فرمادی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ امت کا جو طبقہ ایسے زمانے کو پائے تو اس سے دامن بچا کر اپنے ایمان اور اعمال کو سلامت رکھ سکے اور اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہے۔اس قدر واضح اور کھلی تنبیہ کے باوجود ٹی وی اور اس کے فحش، ایمان سوز پروگراموں کو مسلمان گھرانے نہ صرف گھر کی زینت بنائے ہوئے ہیں بلکہ اس کی ہدایت کاری میں دادتفریح دے رہے ہیں۔

ٹی وی کی آمد کے اثرات:

ایسے بہت سے گھرانے ہیں جہاں نماز کی پابندی ہوتی رہی ہے، اور نیکیوں کا ماحول رہا ہے، ٹی وی کے اثرات کو سمجھتے ہوئے گھروں میں اس کے دخول کے خلاف رہے ہیں، لیکن دوسرے افراد خانہ خصوصاً نوجوان بچوں کی ضد پر جب ٹی وی ان کے گھروں میں داخل ہوئی تو شروع میں بزرگوں نے اس سے کلیۃ اجتناب کیا، لیکن آہستہ آہستہ خبریں سننے کے نام پر یہ حضرات بھی ملوث ہوئے، نتیجۃً آج ان کی جماعتیں چھوٹ رہی ہیں، نمازیں قضا ہو رہی ہیں۔جن اوقات میں یہ ذکر واذکار میں مشغول ہوا کرتے تھے۔وہ اوقات اب ٹی وی کی نذر ہو رہے ہیں۔ان کے علاوہ اور بھی خرابیاں پیدا ہونا شروع ہو چکی ہیں۔ایسے نمونے بہت سے خاندانوں میں دیکھے جارہے ہیں۔

ٹی وی کے جواز کے لئے شیطانی فریب:

ٹی وی کے جواز کے سلسلے میں ایک بات یہ کہی جارہی ہے کہ ہم ٹی وی رکھیں

گے، لیکن اس پر تفریحی پروگرام فلم، سیریل، ناچ گانے نہیں دیکھیں گے، بلکہ صرف خبریں سنیں گے اور تعلیمی وتربیتی پروگرام دیکھیں گے۔ میں ان حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جن پروگراموں کو آپ دیکھنے کی بات کررہے ہیں ان میں نسبتاً کم لیکن تمام خرابیاں موجود ہیں جن کا ذکر میں کرچکا ہوں۔ لیکن آپ کی بات تسلیم کرتے ہوئے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے علم میں کوئی ایسا گھر ہے جہاں ٹی وی کے پروگرام آپ کے اصول کے مطابق دیکھے جاتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب زبانی جمع خرچ ہے۔ ایک بھی عملی طور پر ایسا نہیں ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ گھر کا کوئی فرد ایسا خیال رکھتا ہو اور عملی طور پر کاربند بھی ہو لیکن اس کے غائبانے میں دوسرے افراد خصوصاً نوجوان نسل اس کا صد فیصد استعمال کرتی ہے۔

ٹی وی کے خطرناک نتائج اور اس کی سنگینی:

مذکورہ بالا جملہ خطرناک نتائج کے علاوہ ایک انتہائی سنگین مسئلہ جو امت مسلمہ کو درپیش ہے وہ یہ کہ فوٹو گرافی، سنیما اور ٹی وی سے پیدا شدہ جملہ خرابیوں، فواحش و منکرات تک کا احساس نہیں ہے جب تک کسی فعل کے غلط اور ناجائز ہونے کا احساس وعلم نہیں ہوتا ہے اس وقت تک اس کو ترک کرنے یا توبہ کرنے کا خیال بھی نہیں ہوتا ہے، ٹی وی کی خرافات میں مسلسل مبتلا رہتے ہوئے اس کے منکرات اور فواحش میں مسلمان اس درجہ غرق ہوچکے ہیں کہ قلوب سیاہ ہوتے جارہے ہیں، ایک حدیث کا

مفہوم ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے قلب پر لگ جاتا ہے، اگر بندہ توبہ کرلیتا ہے تو یہ نقطہ دھل جاتا ہے ورنہ باقی رہتا ہے، اس طرح گناہوں کی کثرت سے قلب سیاہ ہوجاتا ہے پھر کوئی خیر کی بات اس میں نہیں اترتی۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ٹی وی کے نقصانات:

ٹی وی کے سود زیاں کا تقابلی جائزہ لیجئے جس پیمانہ پر آپ جانچنا چاہیں جانچیں، اس کی جملہ خرابیاں شمار کریں، آپ لازمی طور پر اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کی خوبیاں، اس کے نقصانات کا عشر عشیر بھی نہیں، اور نقصانات دنیا و آخرت دونوں میں تباہی، بربادی اور ذلت کے دہانوں تک پہنچانے والے ہیں، قرآن کریم میں شراب کی حرمت کے بیان میں بھی اس کے فائدے اور نقصان کا تقابلی انداز نظر آتا ہے: "**یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیھما إثم کبیر و منافع للناس و إثمھما أکبر من نفعھما**"۔

لوگ آپ سے شراب اور قمار کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ
فرما دیجئے کہ ان دونوں میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور
لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور گناہ کی باتیں ان کے فائدوں سے

زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔

اسی طرح ٹی وی میں فائدے کے مقابلے میں نقصانات کا پہلو حد درجہ زیادہ ہے، اس بنیاد پر آج ٹی وی سے اجتناب کرنا انتہائی ضروری ہو گیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن کافروں اور مجرموں کے ساتھ یہ دہرانا پڑے: رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۔(سورہ السجدہ) اے اللہ ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ہم کو پھر دنیا میں بھیج دیجئے، ہم نیک کام کریں گے بیشک ہمیں یقین ہو گیا۔

اس دنیا میں اللہ کے سامنے گڑگڑانے سے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں، لیکن آخرت میں گڑگڑانا نفع نہ دے گا کیونکہ دوبارہ دنیا میں واپسی ممکن نہیں ہے۔

ٹی وی ایمان کے لئے ٹی بی ہے:

ٹی وی کے نفع نقصان کا جائزہ لیتے وقت اس حدیث پر بھی نگاہ ڈالی جا سکتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بہترین جگہ مسجدیں ہیں اور بدترین جگہ بازار ہیں۔ حالانکہ ضروریات زندگی کی چیزیں بازار ہی سے دستیاب ہوتی ہیں جہاں جانا ناگزیر ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ اپنی علت ونتائج کے اعتبار سے بازار کو بدترین جگہ کہا گیا ہے۔ ضرورت کے لئے بازار جانے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ ناگزیر ضرورت کے تحت بازار جایا جائے اور ضروری اشیاء خرید کر فوراً واپس آجائے تاکہ اس کی خرابیوں سے محفوظ رہ سکے۔ اس

لئے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ ٹی وی جس میں جملہ اقسام کی خرابیاں موجود ہیں۔ کیا ہماری زندگی کے لئے ناگزیر بن گیا ہے؟ کیا اس کے بغیر ہمارے شب و روز نامکمل رہیں گے؟ قطعی ایسا نہیں ہے، ٹی وی ناگزیر نہیں بنا ہے۔ بلکہ اس کے بغیر زندگی میں کہیں بھی کوئی خلا نہیں پیدا ہوتا ہے۔ بہت سے گھرانے ایسے ہیں جہاں ٹی وی نہیں ہے۔ لیکن اس گھر کے افراد کسی معاملے میں کسی سے کم نظر نہیں آتے ہیں۔ تفریح کے بغیر نہ وہ دبلے ہوئے ہیں، نہ حالات حاضرہ سے بے خبر ہوئے ہیں اور نہ تعلیم و تربیت نیز معلومات کے لحاظ سے جاہل رہ گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ٹی وی کے تمام تر فوائد دوسرے ذرائع مثلاً اخبارات، پرچے اور کتابوں سے صد فیصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام:

مذکورہ بالا حقائق و جائزے کی بنیاد پر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس وقت ٹی وی پر جس نوعیت کے پروگرام ٹیلی کاسٹ ہورہے ہیں، وہ انتہائی غیر مہذب، غیر اخلاقی شرم و حیا کے منافی بدنظری و بدکرداری کو ہوا دینے والے غیر اسلامی ہیں۔ یہ پروگرام سطحی طور پر بڑے جاذب نظر اور معلوماتی نظر آتے ہیں۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے انتہائی خوش رنگ اور خوش ذائقہ مٹھائی کی طرح ہیں جس کے اندر ایسا زہر بھرا ہوا ہوتا ہے جو جسم و روح کو مفلوج کر کے کلی طور پر شیطان کے حوالے کر دیتا ہے، صحیح غلط، حرام و حلال، جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہوجاتی ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں

تباہی و بربادی تک پہنچانے والا ہے، اس لئے مسلمانوں کو پہلی فرصت میں شیطان کے اس طاقتور ایجنٹ کو اپنے گھروں سے نکالنا ضروری ہے، تاکہ لوگوں کو ہوش آئے اور اپنے ایمان، اعمال اور آخرت کے بارے میں غور کرنے کا موقع فراہم ہو سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹی وی ایمان کے لئے ٹی بی (تپ دق) ہے ایک دروازے سے گھر میں ٹی وی داخل ہوتی ہے تو دوسرے دروازے سے خیر و برکت و نیکیاں رخصت ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں اور ضلالت کے راستے سے ہٹا کر صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفاں سے کیوں
نا خدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو

دیکھ آ کر کوچہ چاک گریباں میں کبھی!
قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحرا بھی تو محمل بھی تو

وائے نادانی! کہ تو محتاج ساقی ہو گیا
مے بھی تو مینا بھی تو، ساقی بھی تو محفل بھی تو

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

والدین کا پیغام زوجین کے نام

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ
حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ، یوپی
خلیفہ ومجاز بیعت
حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر
مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم
مہذب پور، پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

پیش لفظ

والدین کا پیام زوجین کے نام یہ حضور والا کے کلام کا مجموعہ ہے، جس کی وجہ سے یہ رسالہ قابل ستائش ومحمودہ ہے، اس میں والدین کے ارمان، اور نوشہ کا وقت امتحان، اور نظر اسلام میں دونوں کی شان کا تذکرہ ہے، ماضی کی بندگی اور سسرالی زندگی پر ایک تبصرہ ہے۔

اس میں مکارم اخلاق کی ایک جھلک جس کو پڑھتے جائیے نہ جھپکے پلک بھی ہے، اس میں بتلایا گیا ہے کہ شادی کا وقت غفلت کے قہقہوں کا، عیش ومسرت کی تالیوں کا نہیں بلکہ پروردگار علیم کے خوف سے قلب سلیم کے ڈرنے اور لرزنے کا ہے کہ ایک عظیم الشان امانت ہمارے مکان میں آنے کو ہے۔

یہ گراں قدر تحفہ اس قابل ہے کہ بوقت شادی سارے مہمان ونوشہ کو پیش کیا جائے خود پڑھیں دوسروں کو سنایا جائے۔ فقط

مفتی حبیب اللہ قاسمی

خادم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور اعظم گڑھ یوپی

جمال حرمین

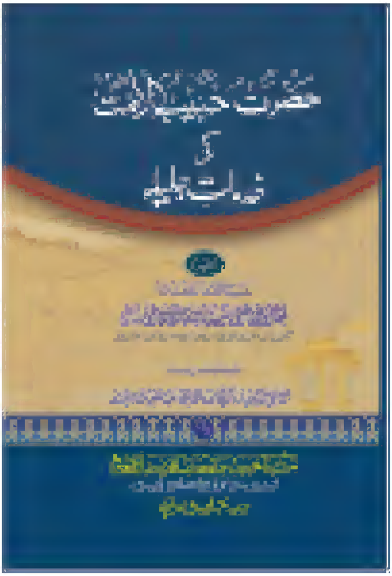
حضرت حبیب الامت
کی
خدمات جلیلہ

اک چراغ

حبیب السالکین

مبتداءنکاح

ذراغورتو فرمائیں، جنت الٰہی ہے اوراس کی یہی دلآویزیاں، ملائکہ قدس اور ان کی یہی زمزمہ سنجیاں، باغ بہشت کا چپہ چپہ انوارالٰہی سے معمور، الطاف کبریائی کا قدم قدم پرظہور، تخلیق ابوالبشر کی ہوتی ہے، تشریف آوری رونق بزم کائنات حضرت خلیفۃ اللہ کی ہوتی ہے، جنت میں کس لطف ومسرت کی کمی، ہرسونعمتوں کی بارش، ہر طرف انوارکی تابش، اس کے باوجوداپنے دل کاایک گوشہ خالی پاتے ہیں، محسوس ایسا ہوتا ہے کہ جیسے اب بھی کوئی خلاء ہے، اتمام نعمت کے لئے یہ نہیں ہوتا کہ جنت کی لذت مادی میں کچھ اضافہ کردیا جائے، سرورِروحانی کے سامان میں کچھ اضافہ کردیا جائے، بلکہ تخلیق ہوتی ہے آدم ہی سے ملتی جلتی لیکن پھر بھی اس سے ذراالگ ایک اور مخلوق کی"خلق منها زوجها" آدم کادل تسکین اب جاکر پاتا ہے، اپنے وجودکی تکمیل اب محسوس کرتاہے، "لیسکن الیها" سوچئے جنت میں کمی کس چیز کی ہوسکتی تھی؟ ہرممکن لذت خدمت کو حاضر، ہرممکن مسرت چاکری کو کمربستہ، لیکن نوازشوں اور بخششوں کی تکمیل جبھی جاکر ہوئی۔ آدم کے حق میں جنت بھی حقیقی معنی میں جنت اسی وقت ثابت ہوئی، جب مرد کے لئے عورت شوہر کے لئے بیوی وجود

میں آئی!

یہ انسان آج اس دنیا میں اپنی آرزوؤں کی جنت کی تعمیر کس چیز سے کرنا چاہتا ہے؟ مال و دولت ہو، جاہ و حکومت ہو، زہد و عبادت ہو۔ جو کچھ بھی انسان کو دل و جان سے مرغوب و مقصود ہوتا ہے جس کے چکر میں رات دن ایک کرتا رہتا ہے غور کر کے دیکھئے ان سب کے عقب میں اور ان سب کی تہ میں آخری چیز کیا ہوتی ہے؟ یہی نہ کہ دل کو جمعیت اور طبیعت کو سکون تسلی ہو؟ لیکن بعینہ یہی مقصود تو عورت کی بھی تخلیق سے ہے۔ ''خَلَقَ لَكُم مِّنْ اَنْفُسِكُم اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا''۔ یہ عورت انسان کے لئے مایۂ رحمت و سرمایہ تسکین ہے، اس کی متمم و مکمل ہے۔

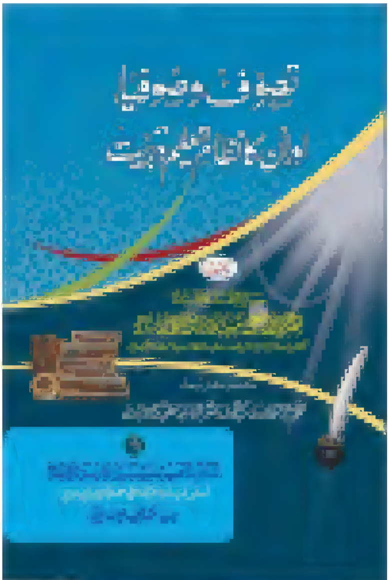

خبر نکاح

عالم انسانیت جہل اور نادانیوں میں گرفتار، اور فضائے کائنات شرک اور وہم پرستیوں سے تیرہ و تار۔ رحمت حق کو حرکت ہوتی ہے اور حرا کے خلوت نشیں کے لوح قلب پر عالم قدس سے نشر شروع ہوتا ہے، صاحب وحی علیہ الصلوۃ والسلام ہمت کے پہلوان تحمل کے مرد میدان لیکن بہر حال انسان، وحی اول کے تجربہ اور فرشتہ سے پہلے پہل سابقہ کے بعد، جب کاشانہ مبارک کو تشریف لاتے ہیں تو اس حال میں کہ قلب انور ہیبت وحی سے قدرۃً گراں بار، اور جسم اقدس پر خشیت کے مادی آثار، تسکین تشفی عین اس وقت جو دیتی ہے اور پیشانی مبارک سے اندیشے کا پسینہ جو پوچھتی ہے، آپ کو یاد ہے وہ کون سی ہستی تھی؟ رفیقۂ زندگی شریک شادی وغم، مونس راحت والم، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

عورت کی قدر اسلام کی تاریخ میں آپ نے دیکھی؟ بیوی کا مرتبہ رسول کے مابین آپنے پہچانا؟ ہے کوئی اس کے مقابل کی چیز عورت کے لفظی ہمدردوں کے دفتر عمل میں؟ نسائیت کے رجز خوانوں کے نعرہائے بے محل میں؟

اس کے بعد اب زندگی کے آخری لمحات کا مطالعہ کیجئے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم دنیا سے تشریف لے جارہے ہیں، عالم ناسوت میں یہ شمع جمال ہمیشہ کے لئے گل ہونے کو ہے، امت پر اس سے بڑھ کر قیامت خیز گھڑی اور کونسی آسکتی ہے؟ صحابہ کرام ایک سے ایک بڑھکر، شیدائے رسول انام صدہا کی تعداد میں لیکن تاریخ وسیرت کی زبان سے شہادت لیجئے کہ انتزاعِ روح سے قبل اور عین مفارقتِ روح کے وقت سر مبارک کس کے زانو پر ہے؟ عین لقاءِ حق کے وقت کس خوش نصیب کے نصیب میں ہے کہ جسدِ اقدس کے سہارے اور تکیہ کا کام دے؟ نہ ابوبکرؓ کے نہ عمرؓ کے نہ عثمانؓ کے نہ علیؓ کے نہ جاں باز رفیقوں کے، نہ محبوب عزیزوں کے، بلکہ شریک حیات عائشہ صدیقہؓ کے۔

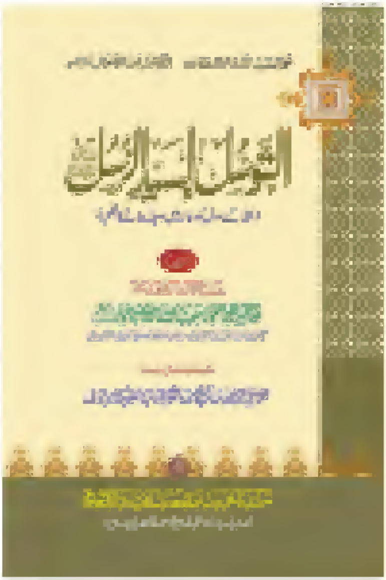

نوشہ کا وقت امتحان

لڑکوں کو مبارکباد اس وقت نہیں دیجاتی، جب وہ امتحان کے کمرہ میں پرچہ حل کرنے کو داخل ہوتے ہیں، مبارکبادی کا وقت وہ ہوتا ہے جب کامیابی کا گزٹ چھپ چکتا ہے، آج کی محفل کا نوشہ سن لے کہ یہ وقت عملی زندگی کے سب سے بڑے امتحان میں داخلہ کا وقت ہے، نکاح کا وقت بلوغ کے بعد ٹھہرایا گیا ہے، اور رضامندی صرف بالغ ہی کی معتبر ہوتی ہے لیکن خود بلوغ کے معنی کیا ہیں، یہی نہ کہ ذمہ داری کا احساس پیدا ہوگیا، اور روح وجسم اور قلب ایک عظیم الشان ذمہ داری کے اٹھانے کو تیار ہوگیا، نفس خوش نہ ہو کہ عمر بھر کے لئے خدمت کو ایک باندی ہاتھ آ گئی، یہ تخیل اور جہاں کہیں کا ہو، اسلام کا تخیل یقیناً نہیں، وقت غفلت کے قہقہوں کا عیش ومسرت کی تالیوں کا نہیں، مقام قلب سلیم کے ڈرنے اور لرز جانے کا ہے، ایک عظیم الشان امانت سونپی جارہی ہے، اور ایک اپنے برابر کی انسانی ہستی کی خبر گیری کا بار سر پر آپڑنے کو ہے۔ ع

امتحان گاہ کو تو عیش کی مجلس نہ سمجھ

ماضی و مستقبل کا تقابل

اب تک صرف کھانا تھا اب کھلانا بھی ہوگا، جیسا خود کھایا ویسا ہی کھلانا ہوگا ''اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ'' اب تک صرف پہنا تھا اب پہنانا بھی ہوگا ''وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ'' عیب جوئی نکتہ چینی، دل شکنی سے زبان روکنی ہوگی، و لا تقبح ، جو کچھ بھی ہو خیرات کی مد میں نہو، بھیک منگی کی جھولی میں ٹکڑا ڈال دینے کی حیثیت سے نہ ہو، معاملات کے برتنے کا طریقہ بہتر سے بہتر اور شائستہ سے شائستہ ہو، آیئے آقاء مدنی کے اصل الفاظ سناؤں:

اَلا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ (ترمذی)

ان آداب کے ساتھ ساتھ انسان کے شرف و بزرگی کا معیار بھی ہاتھ میں دیا ہے۔

اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهٖ (ترمذی)

مومنین میں کامل ترین ایمان والا وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے بہترین ہو، اور اپنے اہل کے حق میں نرم ترین ہو، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بجائے اَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ کے خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ کے الفاظ آئے ہیں، تم میں بہتر وہ ہے جو بہتر ہو اپنی عورتوں کے حق میں۔

مکارم اخلاق کی ایک جھلک

ایک مرتبہ شب میں بستر مبارک سے اٹھکر مرحومین کے حق میں دعائے مغفرت کا خیال آتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ آہستہ سے اٹھے، ردائے مبارک آہستہ سے ہٹائی، حجرہ کا دروازہ آہستہ سے کھولا، ہر ہر جنبش میں آخر آہستگی کا اہتمام کیوں؟ اس لئے کہ پاس ہی آرام فرمانے والی ایک خاتون عائشہ صدیقہؓ کی راحت وآسائش میں بلاضرورت خلل نہ پڑے، لیکن افسوس آج کا مسلمان بیوی کو بن داموں کی کنیز سمجھتا ہے، حالانکہ سرور کائنات نے ایک نعمت قرار دی ہے، ’’خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ‘‘ (مشکوۃ) (دنیا کے ساز وسامان میں بہترین چیز نیک بیوی ہے)۔ایک مقام پر دوسرے الفاظ میں یہ فرمایا ’’خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَهْلِیْ‘‘ (ترمذی) (تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ہو اور میں تم سے بہتر ہوں اپنے اہل کے حق میں)۔

نکاح اسلام کی نظر میں

نکاح اسلام کی نظر میں ایک معاہدہ ہے ایک طرف سے اطاعت وخدمت کا، دوسری طرف سے حفاظت و کفالت کا، اور دونوں طرف سے محبت وامانت کا رفاقت کا ''وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً'' ایک نسبۃً ضعیف ونازک زبان ہار رہی ہے کہ اپنے کو دوسرے کے سپرد کر رہی ہوں، دوسرا نسبۃً قوی اور صاحب اقتدار قول دے رہا ہے کہ میں دوسرے کی ذمہ داری کو قبول کر رہا ہوں، اور دونوں اس قول وقرار پر گواہ ٹھہرا رہے ہیں۔

گرہ لگالیں، یاد رکھیں کہ یہ معاہدہ دو چار یوم کا نہیں پوری زندگی کا ہے، ایسا نہ ہو کہ عمر کے کسی مرحلہ میں، حیات منزل کے کسی شعبے میں، غفلت کے کسی لمحہ میں، نگاہ استقامت بھٹک جائے، قدم ثبات پھسل جائے، مرد چونکہ ٹیم کا کپتان ہے، قوام ہے، بااختیار ہے، ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ، وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ'' اس لئے سرور کائنات فخر رسل نے مردوں ہی کو خطاب فرمایا ''اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ'' اللہ سے عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں ڈرتے رہو۔

پرہیز کی تاکید اسی کو کی جاتی ہے جس سے بدپرہیزی کا خطرہ زیادہ ہو، اور

اختیارات محدود اسی کے کئے جاتے ہیں جسے حکمرانی کا اختیار ہو، اسی وجہ سے حدیث کی ہر کتاب میں "کتاب النکاح" کے ماتحت ایک باب "عشیرۃ النساء" یا اس کے مثل ملے گا، جس میں بیوی کے ساتھ حسن معاشرت رفق وملاطفت کی تفصیل وتاکید ملے گی۔ اور سب تفسیر ہوگی و عاشروھن بالمعروف کی۔

لڑکی اور ماضی کی ایک جھلک

اے میری بیٹی!

آج تو اپنی آزادی کو قید میں تبدیل ہوتے دیکھ رہی ہے، اپنا گھر اجاڑ کر دوسرے کا گھر آباد کرنے جارہی ہے، یہ صحیح ہے کہ بے فکری کی جو نیندیں اب تک سوئی وہ آج ختم ہورہی ہے اس گھر سے بے گھر ہورہی ہے جسے آنکھ کھولکر اپنا گھر سمجھا تھا، وہ درودیوار چھوٹ رہے ہیں جہاں پیدا ہوئی، پلی بڑھی، الگ ہورہا ہے وہ مکان جہاں عمر کی اتنی منزلیں گذریں ہنس ہنس کر اور کھیل کھیل کر، جدا ہورہا ہے وہ گھروندا جسے گرمیوں چھاؤں اور جاڑوں کی دھوپ میں سیکڑوں بار سنوارا سجایا، جہاں بیٹھ کر بارہا اپنی گڑیوں کو پہنایا اور بیاہا، پرایا ہورہا ہے وہ صحن جس میں مدتوں دوڑی کھیلی گری، اٹھی، بے وفا نکل رہے ہیں وہ دالان جن میں بارہا ضدیں کیں، روئی، مچلی، چھوٹ رہا ہے گھر کا وہ کونا جہاں بھائیوں سے لڑی، بہنوں سے بگڑی، ماں سے روٹھی، آنکھیں ترسیں گی ساری عمر ساتھ کی جھولا جھولنے والیوں کو، دل ڈھونڈھے گا زندگی بھر پاس بیٹھ کر لیٹ کر کہانی سننے والیوں کو۔

اے بچھڑنے والی اللہ کی بندی اور خود رو رو کر گھر بھر کو رلانے والی امانت الٰہی

سن اور سمجھ اس وقت سے بچنے کی صورت اگر ممکن ہوتی تو امت کی لڑکیوں میں اس کی حقدار سب سے بڑھکر ابو بکرؓ ہی کی بیٹی ہوسکتی تھی اور یا پھر ان سے بھی بڑھکر آقائے ابو بکرؓ کی صاحبزادی، جب عائشہؓ اور فاطمہؓ کو اسی راہ پر چلنا پڑا، اور اس منزل سے گذرنا پڑا تو دنیا کی کسی اورلڑکی کی بساط کیا ہے ان کی کنیزی تیرے لئے باعث فخر اور جو قدم بھی ان کی پیروی میں اٹھ سکے تیرے لئے سرمایۂ نجات، آنسو رنج کے نہیں خوشی کے بہا کہ آج پیروی کس کی نصیب ہورہی ہے۔

خوش نصیب لڑکی!

نکاح کوئی مصیبت نہیں، نہ دنیا والوں کا نکالا ہوا کوئی نیا دستور یہ تو ایک عبادت ہے پروردگار کی رضا جوئی کا، مالک سے رابطہ قائم کرنے کا، آقا و مولا فرماتے ہیں اَلنِّکَاحُ سُنَّةُ الْاَنْبِیَاءِ نکاح انبیاء کا طریقہ ہے۔

سسرالی زندگی

سسرال کی زندگی یقیناً سخت، اور سسرال والوں کی اطاعت کی منزل بلاشبہ کٹھن، ساس کے طعنے ایسے کہ پتھر کے جگر میں ناسور ڈال دیں، اور بدمزاج شوہر کی سخت گیریاں تو وہ عذاب ہیں کہ شاداب سے شاداب پھول کو دم بھر میں سوکھا کر کانٹا بنا کر رکھ دیں، لیکن مسلمان لڑکی کو یہ تعلیم ملی ہے کہ کڑوے عرق کے ہر قطرے کو شربت کا گھونٹ سمجھے بچپن ہی میں یہ آواز کان میں آئی ہوگی کہ سجدہ اگر مخلوق میں کسی کے لئے جائز ہوتا تو شوہر کے لئے۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ اَمَرْتُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحِدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا اَمَرَ اِمْرَأَتَهُ اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَحْمَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَحْمَرَ لَكَانَ لَهَا اَنْ تَفْعَلَ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اگر کسی کو کسی کے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت ہی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اور مرد اگر اپنی بیوی کو حکم دے پتھر کے منتقل کرنے کا لال پہاڑ کی طرف سے سیاہ پہاڑ کی طرف اور سیاہ پہاڑ کی طرف سے لال پہاڑ کی طرف جب بھی عورت

پر حق ہے کہ اس کام کو بجالائے۔اور مشقتیں رائیگاں نہیں جاتیں جس نے شوہر کا یہ درجہ بنایا ہے اس نے یہ بشارت بھی دی ہے کہ ایسی اطاعت گذار بیوی اور جنت کے درمیان کوئی روک نہیں۔

عَـنْ اُمِّ سَلَمَةَ تَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ (ابن ماجہ)

ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جس کسی عورت کی وفات اس حال میں ہوئی کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہے تو بس وہ جنت میں داخل ہوگئی۔

اے جدا ہونے والی صبر وشکر کی پتلی! شریف بچیوں کو پہلا سبق اطاعت کا ملتا ہے، خدمت گذاری کا ملتا ہے، اپنے دل کو مار کر، کچل کر، دوسرے کا جی خوش کرنے کا ملتا ہے، وقف سمجھ لے آج سے اپنی زندگی، خدمت کے لئے اطاعت کے لئے، صبر کے لئے، زہر میں قند کا مزا حاصل کرنا سیکھ، سوکھی روٹی کے ٹکڑے ملیں تو جنت کے خوان سمجھ، پھٹے پرانے کپڑے پہننے میں آئیں تو زرو جواہر خیال کر، زبان درازیاں ہوں تو اپنے کانوں کو بہرا بنالے آوازیں کسی جائیں تو اپنی زبان پر مہر لگالے، کلیجہ میں نشتر بنکر ہر چبھنے والے طعنے کو ماں کا لاڈو پیار سمجھ، صبر وضبط کے ساتھ شکر واطمینان کے ساتھ زندگی ساری کی ساری گذار دے اور دنیا کو دکھا جا کہ اپنے بڑوں کے نام کی لاج رکھنے

والیاں، خدائے واحد کی بندیاں، رسول برحق کی باندیاں، عائشہ و فاطمہ کے قدموں پر نثار ہو جانے والیاں، اس صدی میں بھی کیسی ہوتی ہیں۔

ہم سب دل سے دعاء گو ہیں، پوری زندگی، سدا بہار رہے پھولو، پھلو، بڑھو، چڑھو۔ خداوند قدوس نصرت فرمائے، آمین یارب العالمین

عورتوں (بیوی) کے لئے خصوصی ہدایات

۱۔ غیرمحرم سے پردے کا اہتمام کرے
۲۔ نامحرم کے ساتھ سفر سے مکمل پرہیز کرے۔
۳۔ اخبار بینی، ناول، افسانہ اور دیگر منہیات کے پڑھنے اور دیکھنے سے پرہیز کرے۔
۴۔ شادی کے بعد گھر والوں کے حقوق کی نگہداشت کرے۔
۵۔ نماز، روزہ، تلاوت کے ساتھ ذکرواذکار کا اہتمام کرے۔
۶۔ شوہر سے لڑائی جھگڑا اور اختلاف سے حتی الامکان گریز کرے۔
۷۔ تکلف اور تصنع سے اپنے کو بچائے۔
۸۔ تقریبات اور سفر میں بلاضرورت زیب وزینت سے پرہیز کرے۔
۹۔ جب عورتوں سے ملاقات ہو ان سے سلام ومصافحہ کرے۔
۱۰۔ شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر چندہ وغیرہ نہ دے۔
۱۱۔ شوہر کے مال واسباب کی نگہ بانی بیوی پر واجب ہے۔
۱۲۔ شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر اپنے رشتہ داروں کو ہرگز نہ دے۔

۱۳۔ جن اعضاء کا غیر محرم سے چھپانا ضروری ہے ان کو کافر عورتوں سے بھی چھپانا ضروری ہے۔

۱۴۔ عورتوں کو اپنے پیر و مرشد سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے۔

۱۵۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں عورتوں کو کوتاہی سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

۱۶۔ عورتوں کو اولاد کی شادی بیاہ میں زائد خرچ پر شوہر کو مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۷۔ عورتوں کو اپنی اولاد کو نماز کی پابندی کی عادت ڈالنا چاہیئے۔

۱۸۔ پاکی اور ناپاکی کے مسائل جاننا عورتوں کے لئے ضروری ہے۔

۱۹۔ عورتوں کو اپنے شوہر کی خدمت اور اطاعت کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

۲۰۔ عورتوں کے لئے بقدر کفایت دینی تعلیم ضروری ہے۔

۲۱۔ عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

۲۲۔ عورتوں کو اپنے زیورات کی زکوٰۃ نکالنے کی خود فکر کرنی چاہیئے۔

۲۳۔ عورتوں کو مردوں کو دین دار بنانے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیئے۔

۲۴۔ عورتوں کو ہر طرح کی بے حیائی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

۲۵۔ عورتوں کو چاہیئے کہ اپنے شوہر کی تعظیم بجا لائے اور اس کی ناشکری سے پرہیز کرے۔

۲۶۔ فیشن کی چیزوں سے عورتوں کو دور رہنا چاہیئے۔

۲۷۔ عورتوں کو چاہیئے کہ بقدر ضرورت قرآن اور حدیث اور ضروری مسائل کی

تعلیم ضرور حاصل کرے۔

۲۸۔ بہو کو چاہئے کہ ساس سے سوچ سمجھ کر بات کرے۔

۲۹۔ کیونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے اس لئے اس کا ہمیشہ خیال رکھے۔

۳۰۔ عورت کو غیبت سے بالخصوص پرہیز کرنا چاہئے۔

۳۱۔ ساس کو چاہئے کہ بہو کو تنگ نہ کرے اور تحمل سے زیادہ اس پر کام کا بوجھ نہ ڈالے۔

۳۲۔ عورتوں کو چاہئے کہ شوہر کے گھر میں آتے ہی شوہر سے دل آزار بات سے گریز کرے۔

۳۳۔ شوہر کا بیوی کو پردے میں رکھنا ظلم نہیں ہے۔

۳۴۔ عورتوں کو ازواج مطہرات اور حضرات صحابیات کا نمونہ تلاش کر کے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۳۵۔ عورتوں کے لئے اجنبی کا جوٹھا کھانا مکروہ ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۳۶۔ عورتوں کا رشتہ خاندان میں کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۳۷۔ گھر کے بگاڑنے اور سنوارنے میں عورت کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

۳۸۔ دکھلاوے کی نیت سے قیمتی کپڑا اور زیور پہننا حرام ہے۔

۳۹۔ عورتوں کو بالخصوص سوچ سمجھ کر زبان کھولنی چاہئے۔

مردوں (شوہر) کے لئے خصوصی ہدایات

۱۔ عورتیں رعایت کی مستحق ہیں اس لئے مردوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور رعایت کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

۲۔ عورتوں پر تشدد کرنا مارنا پیٹنا مجرمانہ، بزدلانہ غیر شریفانہ غیر انسانی و غیر اسلامی حرکت ہے۔

۳۔ عورتوں کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا نبوی اور پسندیدہ عمل ہے۔

۴۔ عورتوں کی دلجوئی کرتے رہنا بھی عورتوں کا مردوں پر حق ہے۔

۵۔ عورتوں کا مہر معاف کر دینے کے باوجود عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا اہتمام والتزام کرنا چاہئے۔

۶۔ مرض الموت میں بیوی کا مہر معاف کرنا معتبر نہیں۔

۷۔ عورتوں کی معقول بات شوہروں کو قبول کرنا چاہئے۔

۸۔ شوہروں کو چاہئے کہ بیوی کو نمازی بنانے کی تلقین اور تدبیر میں کوتاہی نہ کرے۔

۹۔ شوہروں کو چاہئے کہ اپنی وسعت کے مطابق بیوی کو جیب خرچ دیا کرے

تا کہ وہ اس سے اپنی ذاتی ضرورت پوری کر سکے۔

۱۰۔ گھر والوں کا بہو کے ساتھ نوکرانی جیسا برتاؤ کرنا مذموم حرکت ہے۔

۱۱۔ کھانے پینے کی چیزیں مثلاً نمک مرچ کی کمی زیادتی پر بیوی سے ترش کلامی خلافِ مروت ہے۔

۱۲۔ شوہر کو چاہئے کہ بیوی سے مناظرہ نہ کرے حتی الامکان اس سے گریز کرے۔

۱۳۔ والدین جہیز کے نام پر بچیوں کو جو کچھ دیتے ہیں وہ بیوی کی ملک ہوتی ہے، شوہر یا اس کے اہل خانہ کا اس میں تصرف درست نہیں۔

۱۴۔ گاہ بگاہ بیوی کی دلجوئی کرتا رہے اور حدود شرعیہ اور وسعت کے مطابق ہدیہ تحفہ دینے سے گریز نہ کرے۔

۱۵۔ اگر گھریلو کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو میاں بیوی تنہائی میں بیٹھ کر حل کر لیا کریں بچوں کے سامنے لڑائی جھگڑے سے مکمل گریز کریں۔

۱۶۔ بیوی کی شکایت بچوں سے یا بیوی کے رشتہ داروں سے نہ کرے یہ غیر اسلامی طریقہ ہے۔

۱۷۔ گھریلو کام کاج میں بیوی کو مشورہ میں شریک کر لیا کریں اس سے آپسی اتحاد و اتفاق باقی رہتا ہے۔

۱۸۔ راز کی ساری باتیں بیوی کو نہ بتائیں عورتوں کا ہاضمہ اکثر کمزور ہوتا ہے۔

۱۹۔ عورتوں میں بہت سی خوبیاں ایسی ہیں جو مردوں میں نہیں ہیں ان سے

حسب موقعہ وضرورت استفادہ کرتے رہیں۔

۲۰۔ بیوی پر اس کی طاقت سے سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیں تحمل و برداشت کا خیال رکھیں۔

۲۱۔ ذرائع آمدنی اور کل آمدنی کا حساب و کتاب اپنی ذات تک محدود رکھیں، بیوی سے شیئر نہ کریں۔

۲۲۔ بیوی کے اعزاء واقارب کے اکرام واحترام کا خیال رکھیں، بدسلوکی سے پرہیز کریں۔

۲۳۔ بیوی سے استفادہ میں حدود شرعیہ اور اسلامی تعلیمات کا لازمی طور پر خیال رکھیں، اس سے تجاوز نہ کریں۔

۲۴۔ منہیات وممنوعات سے مکمل اجتناب کریں، حدود کو ہرگز نہ توڑیں۔

۲۵۔ اندرون خانہ کے لوازمات میں بیوی کو اتنا اختیار ملنا چاہئے کہ وہ اپنی مرضی سے امور خانہ داری کو بہتر انداز میں سنبھال سکے، ہر چیز میں وہ دوسروں کے دست نگر نہ ہو۔

۲۶۔ شادی سے پہلے کسی عالم جو فقیہ بھی ہو میاں بیوی کے حقوق کا علم قرآن وحدیث کی روشنی میں جان لینا چاہئے تاکہ اسلامی معاشرت سے مکمل واقفیت حاصل ہو جائے۔

۲۷۔ تلک اور ضرورت سے زائد جہیز کے مطالبہ سے مکمل گریز کرے یہ غیر اسلامی طریقہ ہے۔

۲۸۔ اپنی حیثیت کے مطابق نان ونفقہ کی ادائیگی میں شوہر کوتاہی نہ کرے۔

۲۹۔ بیوی کے رہنے کا مناسب انتظام کرے، پورے گھر کی خادمہ اور نوکرانی بنا کر نہ چھوڑ دے۔

۳۰۔ جلدی سے جلدی مہر کی ادائیگی کی کوشش کرے۔

۳۱۔ گھریلو کام کاج کے ساتھ اسلامی فرائض وواجبات کی تعلیم کا بھی خیال رکھے۔

۳۲۔ اگر بیوی میں نشوز اور نافرمانی مسلسل پائی جائے تو قرآنی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ''فعظوہن'' پر عمل کرے، یعنی افہام وتفہیم، وعظ ونصیحت کی راہ اختیار کرے، اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو ''وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ'' پر عمل کرتے ہوئے اپنا بستر الگ کرلے، اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو ''وَاضْرِبُوا عَلَيْهِنَّ'' پر عمل کرے اور اسی کا دوپٹہ لے کر لپیٹ کر علامتی طور پر اس کی کمر پر مارے، اس سے بھی بات نہ بنے تو ایک حکم شوہر کی طرف سے اور ایک حکم بیوی کی طرف سے بیٹھیں اور طرفین کی بات سن کر کوئی بیچ کی راہ نباہ کی نکالیں۔

اگر یہ تدبیر بھی فیل ہو جائے تو طہر یعنی پاکی کی حالت میں صرف ایک طلاق بیوی کو دے۔

اللہ تعالیٰ ہر نوجوان کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اشتراط فی النکاح کا حکم

اس میں شک نہیں کہ اسلام رشتۂ نکاح کو پائیدار اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے باہمی تعلقات کی خوشگواری کے لئے کچھ اہم و رہبر اصول بھی بتلائے ہیں، لیکن اسلامی تعلیمات سے دوری اور ناواقفیت کا یہ نتیجہ ہے کہ اکثر رشتے غیر یقینی صورت حال کے شکار ہیں، اور حدود و قیود کے متلاشی ہیں۔

نکاح سے قبل اسلامی تعلیمات کی ضرورت:

نکاح سے قبل جہاں رسومات غیر شرعیہ کی تکمیل کی طرف پوری توجہ دی جاتی ہے اگر صرف ایک عشرہ دولہا کسی صحیح عالم کی صحبت میں رہ کر مسائل نکاح و طلاق اور حسن معاشرت کی تعلیم حاصل کرے، اسی طرح بننے والی دولہن کو ایک عشرہ خالص دینی معلومات فراہم کی جائیں تو یقیناً دونوں کی زندگی میں اسلامی تعلیمات کی روشنی ہوگی، جس کے نتیجہ میں دونوں کی زندگی خوشگوار بنے گی۔

لیکن افسوس اس انداز کی تعلیمات کی طرف امت کی کوئی توجہ نہیں، جس کا لازمی نتیجہ آج سب کے سامنے ہے۔

نکاح کے اقسام ثلاثہ:

۱-نکاح کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) منجز (۲) مشروط

(۳) معلق۔علامہ شامی ودیگرفقہاء کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نکاح کی یہ تینوں شکلیں قابل قبول واعتبار ہیں۔

نکاح میں شرائط کی دوقسمیں:

شرائط کی دوقسمیں ہیں:

(۱) شرط صحیح (۲) شرط فاسد

۳-شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط فاسد ہوجاتی ہے اور نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔

"النکاح لاتبطلہ الشروط الفاسدۃ فبطل الشرط و بقی النکاح صحیحاً" (بدائع:۲/۳۷۲)۔

تفویض کے اقسام ثلاثہ:

۴-تفویض شرعاً ایک درست عمل ہے تاہم تفویض کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) تخییر (۲) امر بالید

(۳) مشیت اور ان کے انواع ثلاثہ کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکورو

موجود ہیں۔

۵-ایسی کوئی بھی شرط جس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال لازم آئے شرعاً غیر معتبر ہے واجب الایفاء نہیں، جیسا کہ خود اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات میں بھی صراحتاً یہ چیزیں موجود ہیں۔

نان ونفقہ کا حکم:

(الف) نان ونفقہ بیوی کا شوہر پر حق واجب ہے چند شرائط کے ساتھ جن کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں، اگر وجوب نفقہ کی ساری شرطیں موجود ہوں تو شریعت بیوی کو یہ حق دیتی ہے کہ شوہر سے اپنا نان ونفقہ وصول کرلے،لیکن اگر کوئی صاحب حق اپنے حق کو ساقط کردے تو شریعت نے یہ حق بھی صاحب حق کو دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی عورت بلا جبر واکراہ طوعا اپنا حق واجبی (نان ونفقہ) ساقط کردے تو اس سے نہ نکاح متاثر ہوگا اور نہ ہی بیوی کو مطالبہ یعنی نفقہ کا حق ہوگا۔

ایک سے زائد نکاح نہ کرنے کے عہد کا حکم:

(ب) ایک سے زائد نکاح کی اجازت مرد کو دی ہے شوہر کو یہ حق حاصل ہے

کہ ایک سے زیادہ چار تک بیک وقت زوجیت میں عورتوں کو رکھے، لیکن اگر کوئی مرد اپنا حق کسی مصلحت کے تحت ساقط کر دیتا ہے اور اپنی پہلی بیوی سے یہ عہد کر لیتا ہے کہ میں تمہارے علاوہ کسی سے تمہارے رہتے ہوئے شادی نہیں کروں گا تو "**و أوفوا بالعهد**" کے تحت یہ وعدہ بھی لازم الایفاء ہوگا، اور اس سے اس کی شادی متاثر نہ ہوگی جس میں اس نے اپنی بیوی سے اس انداز کا عہد کیا ہے۔

طلاق کی تفویض کا حکم:

(ج) طلاق شوہر کا پرسنل ذاتی حق ہے، لیکن شرعاً تفویض وتوکیل بھی معتبر ہے، لہٰذا شوہر حسب موقع و مصلحت بوقت ضرورت بقدر ضرورت بحد ضرورت اپنا اختیار و حق دوسرے کے حوالے کر سکتا ہے، اور دوسرا شخص اس کے سپرد کردہ حق کو اگر استعمال کرتا ہے تو وہ حق بجانب ہوگا، تفویض کے بعد اگر شوہر بیوی سے حق تفویض کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا ہے "**ولايملك الرجوع أي ولايملك الزوج الرجوع عن التفويض سواء كان بلفظ التخيير أو بالأمر باليد أو طلقي نفسك لما قدمنا**" (البحر الرائق: ۳/۲۲۷)۔

نکاح میں شرط کی مختلف شکلیں:

نکاح میں شرط کی صورتیں:

۱-عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں۔

۲-عقد نکاح میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے۔

۳-عقد نکاح کے بعد طرفین کے درمیان کوئی شرط نامہ تحریر کیا جائے۔

یہ تینوں صورتیں درست اور صحیح ہیں۔

البتہ پہلی صورت کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو تحریر لکھی جائے اور اس میں جو شرط مذکور ہو اس کی اضافت ونسبت نکاح کی طرف ہو، اگر اضافت الی النکاح کو ترک کردیا گیا تو تحریر باوجود طرفین کی دستخط کے لغو اور بے کار ہوجائے گی، جیسا کہ حضرات فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، اور شرط کی دوسری صورت بھی درست ہے، لیکن اگر شرط تفویض طلاق سے متعلق ہو اس وقت اس کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت کی جانب سے ہو اور اگر ایجاب مطلق شوہر کی جانب سے ہو اس صورت میں شرط لغو ہوجائے گی اور نکاح بغیر شرط کے درست ہوجائے گا۔

”کما فی الشامی ان ابتدات المرأة فقالت زوجت نفسی منک علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کما أرید أو علی أنی طالق فقال الزوج قبلت، أما لو بدأ الزوج لاتطلق ولایصیر بیدها کما فی البحر عن الخلاصة و البزازیة“۔

تفویض طلاق کی احسن صورت:

”تفویض طلاق“ کے ساتھ احسن یہ ہے کہ دو چار رجال کی تصویب حال کی

شرط لگادی جائے، تا کہ عورت اپنے نقصان عقل کی وجہ سے غلط قدم نہ اٹھا سکے، اور اگر ابراء مہر کی بھی قید تفویض طلاق کے ساتھ لگ جایا کرے تو بہتر ہے، تا کہ عورت حق تفویض کو سوچ سمجھ کر استعمال کرے اور بے جا استعمال کا سد باب ہو سکے۔

شریعت نے مصالح کے تحت ہی تفویض طلاق کا دستور بنایا ہے، اگر تصویب رجال یا ابراء مہر کی قید لگادی جائے تو بے جا تصرف کا سد باب بھی ہو جائے گا، اور شرعی دستور بھی ضیاع سے محفوظ رہے گا۔

مہر عورت کا حق ہے کمی زیادتی کا اختیار بھی عورت کو حاصل ہے مرد کے قبول کرنے سے پہلے مہر کو مشروط و مطلق رکھنے کا حق بھی عورت کو ہے جس شرط کے ساتھ شوہر مہر کو قبول کرے گا اس کا ایفاء اس کے ذمہ ہوگا۔

عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط کا حکم:

۳-شریعت نے عورت کا جو مقام اور کام متعین کیا ہے اس میں اس کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک عورت بحیثیت عورت کلرک بنے اور آفسوں کی ڈیوٹی انجام دے، اس لئے خادم کے نزدیک مرد کو ایسی شرط مسترد کر دینی چاہئے جو بہت سے مفاسد محرمات کا ذریعہ ہو اور ایجاب وقبول کے وقت ہی یہ شرط لگا دینی چاہئے کہ تم کو صرف چراغ خانہ بن کر رہنا پڑے گا اور کسی ملازمت کی اجازت نہیں ہوگی اور اگر کوئی شوہر نادانی میں اس انداز کی نامعقول شرط کو قبول کر لیتا ہے تو حسن تدبیر سے بیوی کو اس عمل

سے روکنے پر وہ ماجور ہوگا ماز ورنہیں۔

دلائل:

(۱) بدائع الصنائع ص: ۲۷۳، ج:۲

و قال ابن نجيم المصرى الحنفى: و لأن ما يصح مع الهزل لاتبطله الشروط الفاسدة و مالايصح مع الهزل تبطله الشروط الفاسدة.

(البحر الرائق ص: ۲۱۷، ج:۲، دار الكتاب الإسلامى)

(النهر الفائق ص: ۵۲۲۴، ج:۳، زكريا)

(شامى مع الدر المختار ص: ۲۴۳، ج:۵، كراچى)

(الفقه الإسلامى و أدلته ص: ۶۷۶۹، ج:۹، دار الفكر المعاصر)

(۲) عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلح جائز بين المسلمين زاد أحمد إلا صلحاً احل حراماً أو حرم حلالاً زاد سليمان بن داؤد و قال رسول الله صلى الله عليه وسلم المسلمون عند شروطهم.

(سنن أبى داؤد، باب فى الصلح رقم الحديث: ۳۵۹۴)

(سنن الترمذى باب ما ذكر من رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصلح بين الناس)

(سنن ابن ماجه باب فی الصلح، رقم الحدیث: ۲۳۵۳)

قال: النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة كانت أو كافرة إذا سلمت نفسها إلى منزله فعليه نفقتها و كسوتها وسكناها.

(هدایه ص: ۴۳۷، ج:۳، دار الكتاب)

قال الزيلعی فی حاشيته على الكنز فلأن النفقة تجب جزاء الاحتباس، و من كان محبوساً بحق شخص كانت نفقته عليه لعدم تفرغه لحاجة نفسه.

(تبيين الحقائق ص: ۵۱، ج:۳، بيروت)

هكذا فی هدايه ص: ۴۳۷، ج: ۲، دار الكتاب)

(العناية شرح الهداية ص: ۳۷۸، ج:۴، دار الفكر)

(درر الحكام شرح غرر الأحكام ص: ۳۵، ج: ۱)

(البحر الرائق ص: ۲۱۰، ج:۳، دار الكتاب الإسلامی)

(مجمع الأنهر ص: ۴۸۵، ج: ۱، دار إحياء التراث العربی)

قال العلامة ابن عابدين الشامی: لأنها جزاء الاحتساب و لنا لم تجب نفقة الناشزة والحاجة مع غير الزوج والمغصوبة و المحبوسة بدين عليها (رحمتی)

(شامی ص: ۵۷۱، ج:۳، كراچی، (دار إحياء التراث العربی)

(٣) قوله تعالى: فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى و ثلث و ربٰع ...... الخ.

(سورة النساء، رقم الآية، ٣)

(٤) عن عقبة بن عامر رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن أحق الشروط أن يوفى به ...... الخ.

توضيح الأحكام فى بلوغ المرام ص: ٣٢٤، ج:٥، بيروت، رقم الحديث، ٨٥٩)

الوفاء بالشرط واجب

(القواعد الفقهية ص: ١٣٨، دار الكتاب، رقم القاعدة: ٣٩٢)

و لأن الوفاء بالشرط واجب، قال: عليه السلام المسلمون عند شروطهم.

(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى ص: ٣٦٦، ج:٢، بيروت)

فى نفقات الظهيرية: الخلف فى الوعد حرام.

(الأشباه والنظائر ، الفن الثانى الفوائد كتاب الحظر والإباحة، ص: ٤٦٤، ج:٢، زكريا)

(٥) (سورة المائدة، رقم الآية: ١)

(٦) عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: أتى

النبی صلی الله علیه وسلم رجل فقال یا رسول الله إن سیدی زوجنی أمته و هو یرید أن یفرق بینی و بینها قال: فصعد رسول الله صلی الله صلی الله علیه وسلم المنبر فقال: یا أیها الناس ما بال أحدکم یزوج عبده أمته ثم، یرید أن یفرق بینهما إنما الطلاق لمن أخذ بالساق.

(سنن ابن ماجه باب طلاق العبد ، رقم الحدیث ٢٠٨١)

(ذکره الزیلعی فی حاشیته علی الکنز ص: ١٩٦، ج:٢، بیروت)

ولایقع طلاق المولیٰ علی امرأة عبده لحدیث ابن ماجة الطلاق لمن أخذ بالساق.

(الدر المختار مع الشامی ص: ٢٤٢، ج:٣، کراچی)

(٤) البحر الرائق ص: ٣٥٣، ج:٣، دار الکتاب الإسلامی.

قال السرخسی: و لأن الزوج مالک لأمرها فإنما یملکها بهذا اللفظ ما هو مملوک له فیصح منه ویلزم حق لایملک الزوج الرجوع عنه اعتباراً بایقاع الطلاق.

(المبسوط للسرخی ص: ٣٢١، ج:٦، بیروت)

قال ملک العلماء و الکاسانی: أنه لازم من جانب الزوج حتی لایملک الرجوع عنه و لانهی المرأة عما جعل إلیها ولافسخ ذالک لأنه ملکها الطلاق و من ملک غیره شیئاً فقد زالت و لایته

من الملک.

(بدائع الصنائع ص: ۱۱۳، ج:۳، بیروت)

قال الحصکفی: ولایملک الزوج الرجوع عنه أی عن التفویض بأنواعه الثلاثة لما فیه معنی التعلیق.

(الدر المختار مع الشامی ص: ۳۳۲، ج:۳، کراچی)

(۸) شامی ص: ۳۲۹، ج:۳، کراچی

(۹) و فی المهر حقوق ثلاثة:

حق الشرع: و هو أن لایکون حق من عمر.

و حق الأولیاء: و هو أن لایکون أقل من مهر مثلها.

و حق المرأة: وهو کونه ملکاً لها غیر أن حق الشرع.

وحق الأولیاء یعتبر وقت العقد لافی حالة البقاء.

(المحیط البرهانی ص: ۸۸، ج:۳، بیروت)